دبستانِ ضیا اوج

کی ادبی خدمات

مصنفہ

ڈاکٹر الفت انصاری

دبستانِ مٹیابرج

کی ادبی خدمات

مصنف:
ڈاکٹر محب اللہ انصاری

ناشر: شب نور پبلی کیشنز

''کوائف نامہ'' دست بہ دست پیش کیا۔ خانہ پُری کے لئے ۱۵ دنوں کی مہلت دی جب کہ خانہ پُری کا کام صرف ایک دن کا تھا۔ وقت مقررہ پر کچھ فرض شناس قلم کار' کوائف نامہ پہنچا گئے۔ بقیہ نے سرد مہری برتی' ان سے فرداً فرداً رابطہ قائم کیا۔ ہر ایک کے در پہ تین تین بار دستک دی۔ بعض نے مایوس کیا تو کچھ نے تعاون سے نوازا۔ عدم تعاون کی صورت میں ان ادباء وشعراء کی سوانح اور تخلیق دوسرے ذرائع سے حاصل کی اور جن کی تخلیق اور سوانحی خاکہ دستیاب نہ ہو سکا' مجبوراً ان کے نام شعراء کی طویل فہرست میں شامل کر رہا ہوں۔

واجد علی شاہ اختر سے عصرِ حاضر تک کے شعرا نے صرف غزلیں اور نظمیں نہیں کہیں' بلکہ یہاں مذہبی شاعری کی روایت بھی رہی ہے۔ اس لئے ابتدائے آفرینش سے ہی یہاں کے شعراء کے رُجحان مذہبی شاعری بالخصوص حمد' نعت' قصیدہ' منقبت' سلام' نوحہ اور مرثیہ نگاری' کی طرف مائل رہا ہے۔ ان اصنافِ سخن میں مُیابرم کے شعراء مغربی بنگال کی سطح پر اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ مرشد آباد اور مُیابرج کے بعد ٹالی گنج بھی ادبی اور مذہبی شاعری کا خاص مرکز ہے۔ یہاں روایتی اور کلاسیکی شعراء کے علاوہ ترقی پسند اور جدید نظریات کے حامل شعراء نے ہر دور میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کے کلام میں نہ صرف عشق ومحبت کی داستان ہے' بلکہ ظلم واستبداد' استحصالی قوت کے خلاف لڑنے کی تلقین' زندگی کی کشمکش' انسان کی اضطرابی کیفیت' نوجوانوں کی بے اطمینانی اور فرقہ واریت کے خلاف احتجاج کے ساتھ حب الوطنی کی گونج بھی سنائی دیتی ہے۔

مُیابرج کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں مختلف موضوعات پر بہت ساری تصانیف وجود میں آئیں۔ یہاں سینکڑوں شاعر وادیب پیدا ہوئے جن میں بہت سے گمنامی کے پردے میں روپوش ہیں۔ پھر بھی میری حالیہ تحقیق کے مطابق تین سو سے زائد ادباء وشعراء کے نام ملتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر مرحوم ادباء وشعراء کی سوانح اور کلام دستیاب ہو سکے۔ چند کے صرف ایک دو شعر اور باقی کے نام ہی ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک سو تیس قلم کاروں کو اردو دنیا سے روشناس کرانے کا فریضہ انجام دے رہا ہوں' جن میں عظیم' بزرگ اور نوجوان ادباء و

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

طوفاں تو آج چال قیامت کی چل گیا ساحل پہ جو بھی تھے انھیں دریا نگل گیا

اک شخص ازل ہی سے ابلیس کا بیٹا تھا لیکن وہ فرشتے کی صف میں کھڑا رہتا تھا

فضا میں گوشت کے جلنے کی بو ہے ذرا چندن کی لکڑی تو جلاؤ

جانے کیسی رسموں نے زہر منھ سے اگلا ہے مانگیں اپنی بھرنے کو بیٹیاں ترستی ہیں

لمحوں میں طے ہوا ہے مرا دور کا سفر شیشے کے پار جیسے ہو انسان کی نظر

پیپل کے پیڑ کٹنے لگے گاؤں گاؤں میں رہ گیر اب رکیں گے بھلا کس کی چھاؤں میں

جسم میرا تپ رہا ہے مفلسی کی دھوپ میں چلتے چلتے تھک گیا ہوں زندگی کی دھوپ میں

ڈر ہے نہ ٹوٹ جائے کہیں کانچ کی دکاں پتھر کے سکے چلنے لگے ہیں نگر نگر

پلا کے دودھ تو پالا تھا ہم نے اے شارب وہ سانپ ڈسنے کو تیار ہے کدھر جائیں

بسمل یوسفی

نام محمد یونس، قلمی نام بسمل یوسفی۔ ۱۹۳۸ء میں مرکز علم وادب آسنسول کے جہانگیری محلّہ میں محمد یوسف کے گھر جنم لیا۔ جب ہوش سنبھالا تو اپنے والد صاحب کے ساتھ ہوڑہ چلے آئے۔ کچھ دنوں ہوڑہ میں قیام رہا۔ پھر بہت دنوں تک مٹیا برج میں سکونت رہی۔ آپ نے شاعری کا آغاز ۱۹۶۵ء میں کیا۔ حضرت عثمان عرشی اور سوزش عثمانی سے کسبِ فن کیا۔ آپ کی شاعری میں کرب و انتشار اور یاسیت کی جھلک پوری طرح نمایاں ہے۔ لیکن یہ کرب اور یاسیت مصنوعی نہیں ہے بلکہ بہت حد تک ان کی زندگی سے قریب ہے۔ اس طرح ان کی شاعری ذات سے کائنات کا احاطہ کرتی ہے۔ آپ کی شاعری عصری حسیت کی ترجمان ہے۔ آپ جدید سہل زبان میں بڑی سے بڑی اور گہری سے گہری باتیں خوبصورت لہجے میں کہنے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ بسمل صاحب کی شاعری میں سرمایہ دارانہ نظام، ظالم سماج پر طنز کا عنصر جا بجا ملتا ہے۔ وہ داخلی اور خارجی احساسات و جذبات کو دلکش انداز میں پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

نمونۂ کلام :

ابھی تو ٹوٹ کے بکھریں گے کتنے ہی پیکر
ابھی ہے جسم سے قائم عتاب کا رشتہ

اے گاؤں والو آؤ یہ سوغات بانٹ لو
لوٹا ہوں لے کے شہر سے پیکر لہو لہو

اور تھے وہ جو ملے گنگ و جمن سے جا کر
ہم تو بہتے ہی رہے شہر میں نالے کی طرح

شہر ہے یہ سورج کا دھوپ کی یہ بستی ہے
برف کے مکانوں میں زندگی جھلستی ہے

بجھ گئی تھیں آخرِ شب جسم کی چنگاریاں
پھر بھی ملے کامرے گھر میں دھواں دن بھر ملا

شور و شر منظر بہ منظر خوں فشاں دن بھر رہا
قتل و خوں کا میری آنکھوں میں سماں دن بھر رہا

وہ چیخ چیخ کے اب مجھ میں مرنے والا ہے
اک حادثہ ابھی مجھ پر گذرنے والا ہے

ایک مدت ہوئی سیلاب کو سر سے گذرے
پھر بھی اب تک ہیں وہی کائیاں دیواروں پر

جلتے تپتے صحرا میں دل تمام ہونا تھا
زیست کے سفر کا یوں اختتام ہونا تھا

کتنی لنکا ہوئی تعمیر بدستِ راون
دیس میں ایک فقط رام نہ ہونے کے سبب

کامریڈ محمد اسمٰعیل

کامریڈ محمد اسمٰعیل ابن اکبر علی مرحوم کی ولادت ۱۹۲۸ء کو واجد علی شاہ اختر کی نگری مٹیا برج میں ہوئی۔ دورانِ تعلیم ادب اور سیاست سے گہری وابستگی رہی۔ آپ کا تعلق سی. پی. آئی. سے رہا ہے۔ اس سیاسی پارٹی کے پرچم تلے آپ گارڈن ریچ میونسپلٹی میں وارڈ کمشنر منتخب ہوئے۔ ادبی، سماجی اور سیاسی محاذ پر ہمیشہ نمایاں طور پر حصہ لیتے رہے۔ آپ عوام کے لئے دردمند دل اور نرم گوشہ رکھتے ہیں اور ہمیشہ ان کی فلاح و بہبود کے لئے قدم اٹھاتے رہے۔ جہاں تک اردو ادب کا تعلق ہے، آپ نے اس میدان میں بھی قدم رکھا اور بہت سے مضامین قلم بند کئے۔ ادبی نشستوں میں شرکت کی اور صدارت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ آپ نے خالد قمر کے نعتیہ قصائد کے مجموعہ ''نغمۂ جاوداں'' پر تاثرات کا اظہار جن الفاظ اور جس زبان میں کیا وہ زبان کسی منجھے ہوئے ادیب کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ جہاں

تک آپ کی شخصیت کا تعلق ہے' ایک صاحبِ کردار' خوش گفتار اور وسیع النظر انسان ہیں۔ مطالعہ عمیق اور مشاہدہ گہرا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۷۲ر سال ہے۔ طویل العمری اور ضعف کے سبب سیاسی محاذ پر سرگرمیاں کم ہوگئی ہیں۔ البتہ کبھی کبھی فرمائشی مضامین لکھ لیتے ہیں۔ آپ کا تعلق ترقی پسند تحریک سے رہا ہے۔ اس لئے فکر میں ترقی پسند خیالات کے عناصر پائے جاتے ہیں۔

نظام آروی

نظام آروی عبدالغفور صاحب کے گھر ۱۹۳۲ء کو میٹھا تالاب' مٹیا برج میں پیدا ہوئے۔ مطالعہ کا بے حد شوق ہے۔ یہ شوق زمانۂ طالب علمی سے رہا ہے۔ بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں' کئی افسانے ملک کے موقر جرائد بیسویں صدی' معاون' نشیمن اور آثار ویکلی کے علاوہ مقامی اخبارات میں بھی چھپے۔ چوں کہ آروی صاحب نے ملک کی آزادی کے بعد رونما ہونے والے سیاسی اور سماجی حالات اور کشمکشِ زندگی کو قریب سے دیکھا اور محسوس کیا ہے' اس لئے ان کے افسانوں میں تقسیم ملک کا المیہ اور بعد کے سماجی حالات کی منظر کشی خوبصورت پیرائے میں نظر آتی ہے۔ درازیٔ عمر اور طویل علالت کے سبب تخلیقی سلسلہ بند ہے۔

عزیز الحسنین ہاشمی

عزیز الحسنین ہاشمی صاحب کی پیدائش ۲۴ر جنوری ۱۹۴۰ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ آپ نے مٹیا برج کی مشہور علمی درس گاہ بنگالی بازار ہائی اسکول میں ایک مدرس کی حیثیت سے تقریباً چالیس برسوں تک علمی خدمات انجام دیں۔ فی الحال سبکدوشی کی پرسکون زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ کو مطالعہ کا شوق جنون کی حد تک آج بھی ہے۔ مطالعہ میں مختلف موضوعات پر کتابیں شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف علوم پر آپ کا مطالعہ وسیع ہے۔ برسوں ادب اور دیگر موضوعات پر مقالات لکھتے رہے جو کلکتہ کے اخبارات اور مقامی اسکولوں' لائبریریوں

اور ادبی تنظیموں کے مجلّہ میں شائع ہوئے۔ آپ نے نثر نگاری کی طرف خاص توجہ نہیں دی بس شوقیہ مضامین لکھتے رہے ورنہ آپ اس میدان میں بہت آگے جاتے۔

ڈاکٹر زہرا ممتاز

مٹیا برج کی اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون ڈاکٹر زہرا ممتاز کی ولادت مٹیا برج میں ہوئی۔ آپ کا شمار یہاں کی چند اچھی خاتون نثر نگاروں میں ہے۔ اگر آپ سنجیدگی سے نثر نگاری کی طرف گامزن رہتیں تو آپ کا ادبی مقام بلند ہوتا۔ ڈاکٹر زہرا ممتاز کا تحقیقی مقالہ ''واجد علی شاہ کا دورِ مٹیا برج'' شائع ہوا اور اہلِ فکر و نظر کی نگاہ میں احترام سے دیکھا گیا۔ انھوں نے اس مقالے میں واجد علی شاہ اختر کی زندگی کے مختلف گوشوں بالخصوص ان کے شعر و ادب پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ زبان میں لکھنوی تہذیب و ثقافت کی جھلکیاں ملتی ہیں جس میں حسن و لطافت اور شائستہ لہجے کا لطف ملتا ہے۔ زہرا ممتاز نے واجد علی شاہ کے فن اور شخصیت پر تحقیقی مقالہ لکھ کر اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل کی ہے۔ آزادی کے بعد آپ مٹیا برج کی تیسری صاحبِ کتاب خاتون ہیں۔ مٹیا برج میں خواتین نثر نگار اور شاعرات کا ہر دور میں فقدان رہا ہے۔ نئی نسل کی خواتین کے لئے مذکورہ خاتون اور دیگر خواتین مشعلِ راہ ہیں۔

کبریٰ بیگم

واجد علی شاہ اختر کی پڑپوتی کبریٰ بیگم مٹیا برج کی پہلی خاتون ناول نگار ہیں جنھوں نے ایک ناول ''جہاں آرا'' لکھ کر ایک بڑا ادبی کارنامہ انجام دیا ہے۔ ان کے اس اقدام سے ممکن ہے مٹیا برج کی خواتین میں بیداری کا جذبہ پیدا ہوا اور وہ بھی تخلیقی ادب کی طرف مائل ہوں۔ اس اعتبار سے آپ کی کاوش قابلِ تحسین ہے کیوں انھوں نے ایک شمع جلائی ہے ہواؤں کے خلاف۔ اس ناول میں مصنفہ نے ثانی لکھنؤ مٹیا برج کے ابتدائی دور کی لکھنوی تہذیب کو پیش کیا ہے۔ اس ناول پر تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے بدرالحسن صاحب لکھتے

ہیں کہ ''کبریٰ بیگم نے ناول 'جہاں آرا' میں ایک زوال آمادہ معاشرے کی عکاسی کی ہے۔ اس کے کم وبیش تمام کردار تعیش پسندانہ زندگی کے عادی ہیں۔ ان کی مصرفیتوں میں کلکتہ کی تفریح گاہوں کی سیر، فلم بینی، ریس کا شغل، شادی کے مواقع پر کلکتہ اور لکھنؤ کی طوائفیں مجرا اور قوالیاں گایا کرتی ہیں۔ کبریٰ بیگم نے اس ناول میں جاگیردارانہ اور رئیسانہ نظام کی بہت حد تک کامیاب تصویر کشی کی ہے۔'' بہرکیف مٹیا برج کے نسائی ادب میں کبریٰ بیگم کا نام روشن ہے۔

(۱ ''روحِ ادب'' جولائی تا دسمبر ۱۹۹۹ء ص ۱۳۹)

محمد نظام شمیم

محمد نظام شمیم صاحب کا تعلق ایک عرصہ تک مٹیا برج سے رہا ہے۔ آپ مٹیا برج ہائی اسکول کے سابق طالب ہیں۔ چوں کہ زندگی کی راہ میں آگے بڑھنے کا حوصلہ تھا، اس لئے اعلیٰ تعلیم کے لئے بڑی جدوجہد کی۔ آخر کار آپ کی یہ جدوجہد رنگ لائی اور آپ آئی. پی. ایس. آفیسر کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئے۔ نظام شمیم صاحب کو اردو ادب سے اچھی خاصی دلچسپی رہی ہے۔ وہ نہ صرف ادبی محفلوں میں شرکت فرماتے ہیں بلکہ افسانے بھی تخلیق کرتے ہیں۔ بیشتر افسانے آل انڈیا ریڈیو کلکتہ سے نشر ہوئے اور آپ کی نثری تخلیقات اخبارات وجرائد میں بھی شائع ہوتی ہیں۔ مشہور افسانوں میں تاریک رات، سایونارا، پری پیکر، اعترافِ گناہ اور تنگ کمرہ قابلِ ذکر ہیں۔ آپ ایک خوش مزاج اور مخلص انسان ہیں۔ اعلیٰ عہدے پر ہونے کے باوجود سبھوں سے خندہ پیشانی اور خلوص سے ملتے ہیں۔

بدرالدین بدر

نام بدرالدین، قلمی نام بدرالدین بدر۔ جناب امیرالدین صاحب کے صاحب زادے کی ولادت ۲۹/اپریل ۱۹۵۳ء کو ضلع آرہ، سہار، بہار میں ہوئی۔ پیشہ کے اعتبار سے وکیل اور شغل سے شاعر ہیں۔ آپ نے مغربی بنگال کے معروف شاعر حامی گورکھ پوری

مرحوم سے ابتدائی دنوں میں اصلاح لی۔ ان کے بعد حضرتِ قیصر شمیم سے آج تک منسلک ہیں۔ آپ کو اردو اور انگریزی دونوں زبانوں پر بہت حد تک دسترس حاصل ہے۔ بدر نے اردو کی کئی نظموں کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ریڈیو پر کلام پڑھنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ نے آزاد اور پابند نظموں کے علاوہ نعت، منقبت، دوہا اور قصائد پر بھی طبع آزمائی کی لیکن پسندیدہ صنف غزل ہے جس میں آپ کا مخصوص رنگ جھلکتا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری کے دل فریب و دلکش لہجہ اور فکر سے سامع اور قاری کو چونکایا ہے۔ اگر مصروف ترین پیشہ وکالت سے وابستہ نہیں ہوتا تو یہ ہونہار اور ذہین شاعر و ادیب اردو دنیا میں بہت آگے جاتا۔ ہر نئی غزل ان کی سابقہ غزلوں کے مقابل اپنے آہنگ و لہجہ اور فکری بصیرت کے اعتبار سے نیا ذائقہ دیتی ہے۔ آپ کی شاعری کا رنگ خالص جدید اور مقناطیسی ہے۔ بدر کی شاعری کی خاص بات یہ ہے کہ وہ اپنی تخلیقات میں نت نئے موضوع کو انتہائی خوبصورتی کے ساتھ نبھاتے ہیں۔ مغربی بنگال کی نئی نسل میں بدر کی پہچان ہے۔ ان کا مطالعہ عمیق، مشاہدہ گہرا ہے۔ انھیں نثر نگاری سے بھی لگاؤ ہے۔ کئی معیاری مضامین قلم بند کر چکے ہیں۔ ان کی شعری و نثری تخلیقات ''اجالا'' آبشار، اخبارِ مشرق، آج کل، قرطاس، اور ملک کے دیگر اہم اردو اور ہندی کے جرائد میں جگہ پا چکی ہیں۔

نمونۂ کلام :

کچے سن کی ہے تمنا بدر گڑیا موم کی
عمر سر چڑھ کر جو بولے گی تو منظر دیکھنا

سمندروں کی حراست سے وہ نکل آیا
بریدہ دست ہے لیکن شکستہ پا تو نہیں

سر پٹکنے سے یہاں کچھ بھی اثر ہوتا نہیں
پتھروں کا شہر ہے یہ، زور کا تیشہ لگا

لوگوں کو رنگ و نور وہ دیتا رہا، مگر
خود اس کی زندگی میں بڑی سادگی رہی

اک ماہی بے آب کی مانند ہیں، لیکن
دریائے سیہ کار سے سودا نہیں کرتے

کیا پیرہن بدلتی ہوئی رُت کے پاس تھا
ہر پھول کے بدن پہ لہو کا لباس تھا

جس بادباں کا ہم نے قصیدہ بہت پڑھا
طوفان پل رہا تھا اسی بادبان میں

شجر گرا کے عمارت بنانے آیا تھا — وہ ایک شخص درختوں نے جس کو پالا تھا
رسم پہلے تھی کہ جلتے تھے چراغوں سے چراغ — اب تو لوٹ آتے ہیں جا جا کے سردار سے ہم
مسئلہ درپیش ہے اب کے ہواؤں کے لئے — پر کٹے طائر بھی ہیں بے تاب اڑانوں کے لئے
ہیں بے لباس مناظر، نگاہ خوں آلود — سیاہ رات کا پردہ سرک گیا تو نہیں

سعید کاشف

نام محمد سعید قلمی نام سعید کاشف ہے۔ یکم مئی ۱۹۵۳ء کو محمد حنیف قریشی کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ مٹیا برج کی نئی نسل کے اچھے شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ شاعری کی اچھی پرکھ رکھتے ہیں۔ بہت کم بھٹکتے ہیں۔ ذہن میں موزونیت ہے۔ فکر اچھی ہے۔ لہجہ خالص جدید اور صاف ستھرا ہے۔ انھوں نے نعت، قصائد اور منقبت پر طبع آزمائی کی ہے لیکن غزل ان کی محبوب صنف ہے۔ معاشی پریشانیوں میں الجھے رہنے کے باوجود بھی کچھ نہ کچھ کہہ لیتے ہیں۔ دوستوں کے اصرار پر ادبی محفلوں میں شریک ہوتے ہیں۔ سعید کاشف کی شاعری کے مطالعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی شاعری کا رنگ و آہنگ اور اندازِ بیاں کیسا ہے۔ غزلوں میں عصری حسیت اور موجودہ تقاضوں کا خاص خیال اہتمام رکھتے ہیں۔ سماج اور معاشرے میں رہ کر انھوں نے جو کچھ دیکھا اور جھیلا ہے انھیں من وعن پیش کر دیا۔ حقائق سے چشم پوشی نہیں کرتے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر کلام پیش کر چکے ہیں۔ اگر معاشی پریشانیوں میں گھرے نہ ہوتے تو مغربی بنگال کی نئی نسل کے جدید شعراء میں ان کا بھی خاص مقام ہوتا۔ آپ کو شاعری کی تحریک جناب مشتاق جاوید سے ملی لیکن مشورۂ سخن حضرتِ قیصر شمیم سے کرتے ہیں۔

نمونۂ کلام :

سفر مشکل ہے جس جا اور اندیشے سلامت ہیں — وہیں تو قیر سر کے واسطے نیزے سلامت ہیں
خبر قاصد نے دی دشمن کا لشکر آن پہنچا ہے — طنابیں تن کے کہتی ہیں سبھی خیمے سلامت ہیں

چٹانوں نے سمٹ کر سنگلاخی کی قسم کھائی
جنوں یہ کہہ اٹھا فرہاد کے تیشے سلامت ہیں

مری نگاہوں کے تیور سمجھ کے منصف نے
سزا کے ساتھ ہی میعاد بھی بڑھا دی ہے

وہ شخص کچھ بھی ہو اس دور کا نہیں لگتا
نظر میں اس کی بلا کی خود اعتمادی ہے

سنا ہے اس کی سخاوت کے خوب چرچے ہیں
کسی گدا کو اتاری ہوئی قبا دی ہے

مرا معصوم بچہ آج پھر مغموم بیٹھا ہے
کوئی رنگین تتلی ہاتھ آکر اڑ گئی ہوگی

ہم نے ہی اپنے قبیلے کی توقیر بچانے کی ٹھانی
پامال ہمارے ہاتھوں ہی کیوں اخلاقی دستور ہوئے

ہمراہ ہمارے تیری ہی یادوں کی تجلی رہتی ہے
اعجازِ تعلق کے صدقے سارے رستے پُرنور ہوئے

مجھے گرائیں گے اب آندھیوں کے جھکڑ کیا
ہوا کے شہر میں بکھرا ہوا مکان ہوں میں

انور حسین انجم

نام انور حسین انجم' ولدیت نور نبی مرحوم۔ آپ کی پیدائش ۸/جنوری ۱۹۵۲ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ آبائی وطن بارہ بنکی (یوپی) ہے۔ انجم نے شاعری کا آغاز ۱۹۶۸ء میں کیا۔ اس وقت سے آپ مسلسل لکھ رہے ہیں۔ علی گڑھ سے ادیب کامل کا امتحان پاس کیا۔ مختلف شعبۂ حیات سے منسلک ہونے کے ساتھ ڈیموکریٹک سوسلسٹ پارٹی شاخ گارڈن ریچ کے جنرل سکریٹری اور سماج وادی پارٹی شاخ گارڈن ریچ کے جنرل سکریٹری رہے۔ ماضی میں ایک ماہنامہ ''کاف نون'' جاری کیا تھا۔ ایک ادبی تنظیم ''فن کار'' کے جنرل سکریٹری ہیں۔ آپ نہ صرف ایک خوش فکر شاعر ہیں بلکہ ایک اچھے مقرر بھی ہیں۔ بحیثیت مقرر آپ مغربی بنگال اور بیرونِ بنگال ادبی، علمی اور مذہبی جلسوں میں نقیب اور سیاسی جلسوں میں مقرر کی حیثیت سے مدعو کئے جاتے ہیں۔ انجم کی شاعری میں روایت کی پاسداری کے ساتھ ساتھ نئے پن اور تازہ کاری کا احساس ہوتا ہے۔ کلام میں عصری حسیت' سماجی' درد و کرب' مخصوص تیور اور طنز کے نشتر موجود ہیں۔ انھوں نے خود کو رومانی اور محض روایتی شاعری تک محدود نہیں رکھا بلکہ ان کی شاعری میں نئی فکر اور نیا لہجہ بھی ملتا ہے۔

نمونۂ کلام :

تیغِ دشمن پر گلا تھا حق نگہداری میں تھا
خوف میں بےخوف منظر جاں کی پھلواری میں تھا

سب ثبوتِ جرم حاضر تھے مگر کیا کیجئے!
وہ امیرِ شہر مجرم کی طرف داری میں تھا

مختلف شکل میں سرگرم ہوا آج بھی ہے
یہ زمیں رزم گہہِ کرب و بلا آج بھی ہے

سنو کہ برسرِ عام اعتراف کرتا ہوں
میں خود پسند ہوں اپنا طواف کرتا ہوں

وہ سرپھرا ہوں کہ تجھ سے موافقت رکھ کر
زمانے والوں کو اپنے خلاف کرتا ہوں

سبز باغوں کی کمندیں پھینکی جب پاتال میں
نور پیکر مچھلیاں سب پھنس گئی ہیں جال میں

ایسا بھی ہاتھ عقل سے باہر نکال دے
پتھر کو کاٹ کر جو سمندر نکال دے

سوکھی ہوئی ہے شاخِ ہنر اس کا غم نہیں
تو چاہے اس میں پھول بہتر نکال دے

کچھ اور پتہ دیتی ہیں سلگی ہوئی شاخیں
طوفاں میں سمندر کا سفر کس کے لئے تھا

دنیا مرے وجود کا کرتی رہی طواف
کعبہ کی طرح میں بھی اکیلا کھڑا رہا

یونس پرویز

احمد حسین انصاری مرحوم کے صاحب زادے معروف گلوکار اور شاعر یونس پرویز کی ولادت ۱۹۳۲ء کو گاؤں جمال احاطہ سیوان بہار میں ہوئی۔ استادِ فن شاعر شکیل مٹیا برجی سے اپنے کلام پر اصلاح لیتے تھے۔ استاد کی قبل از وقت موت سے آپ کی شاعری متاثر ہوئی جس کے سبب زیادہ استفادہ نہیں کر سکے۔ موزونیت ہونے کے سبب اشعار میں خامیاں کم پائی جاتی ہیں۔ شاعری کا آغاز ۱۹۵۰ء میں کیا۔ یونس پرویز نہ صرف ایک اچھے شاعر بلکہ خوش الحان فن کار بھی ہیں۔ موسیقی سے قلبی لگاؤ کے سبب راگ راگنی کی اچھی لیاقت رکھتے ہیں۔ جب آپ ترنم سے کلام پیش کرتے ہیں تو سامعین کو اپنی خوش الحانی سے مسحور کر دیتے ہیں۔ آپ کا تصوفانہ اور عارفانہ کلام ملک کے نامور گلوکار خانقاہوں اور زیارت گاہوں میں بھی پڑھتے ہیں۔ کئی کیسٹوں میں آپ کا کلام شامل ہے۔ آل انڈیا ریڈیو،

شعراء سبھی شامل ہیں۔ مٹیا برج کے قلم کاروں میں صرف شاعر و ادیب ہی نہیں بلکہ ادیبہ و شاعرات بھی ہیں۔ اس کتاب میں ان کا تذکرہ کیا جانا چاہئے تھا مگر میں قصداً گریز کر رہا ہوں کیوں کہ ان ادیبہ و شاعرات کا ذکر تفصیل سے اپنی تحقیقی کتاب ''شاعراتِ بنگالہ'' میں کر چکا ہوں۔

ہمارے اسلاف نے اردو زبان و ادب کے مختلف موضوعات پر جو ادبی سرمایہ چھوڑا ہے اور جن محققین نے ان کے ادبی سرمائے کو تحقیق کی روشنی میں پیش کیا، یہ ان کا احسانِ عظیم ہے۔ اگر اسلاف کا ادبی سرمایہ محفوظ نہیں کیا جاتا تو آج ہم دنیائے اردو کے عظیم فن کاروں کے نام اور ان کے کارناموں سے ناواقف رہتے۔ اس لئے مورخ اور محقق کا یہ بھی اخلاقی فرض ہے کہ تلاش و جستجو کے بعد اپنی تحقیق کو حقائق کی روشنی میں پیش کرے تاکہ مستقبل کے مورخ اور محققین ان کی تحقیق سے استفادہ کر کے نئی نسل کو نئی اور صحیح روشنی دکھا سکیں۔

زیرِ نظر کتاب ''دبستانِ مٹیا برج کی ادبی خدمات'' کی اشاعت کا خاص مقصد اردو ادب کے ایک مرکز مٹیا برج کے شاعر و ادیب کو ان کی ادبی خدمات کے وسیلے سے اردو دنیا سے متعارف کرانا ہے تاکہ مٹیا برج کا ادبی وقار متعین ہو۔ ان کے ادبی سرمائے کے ذریعہ ثانی لکھنؤ مٹیا برج کی اردو نثر اور شاعری کے نمونے قاری کے سامنے آئیں۔

مقامی قلم کاروں پر قلم اٹھانا اور ان کے فنی محاسن و معائب کو قلم کی زد میں لانا تلوار پر گردن رکھنے کے مصداق ہے۔ مرحوم فن کاروں پر لکھنا قدرے آسان ہے لیکن زندہ قلم کاروں پر لکھنا نہایت مشکل ہے۔ اگر کسی کی توصیف کی تو دوست نوازی اور اقربا پروری کا الزام اور معائب بیان کئے تو ان کی نگاہ میں معتوب ٹھہرا۔ ان ہی وجوہات کے پیشِ نظر راقم السطور نے شاعروں اور ادیبوں کے فن پر اپنے تاثرات کے اظہار میں اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ صرف ان کی توصیف اور خوبیوں میں قلم رواں رہے۔ بقول ڈاکٹر حامد اللہ ندوی ''کمزوریاں فطری ہوتی ہیں جو ہر شخص میں کسی نہ کسی شکل میں پائی جاتی ہیں۔ صرف خوبی ہی وہ وصف ہے جو آدمی اپنی محنت سے حاصل کرتا ہے۔''

کلکتہ اور پٹنہ ریڈیو پر کلام پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔ پرویز صاحب کے کلام میں زبان کی لطافت اور اندازِ بیان کی خوبیاں موجود ہیں۔ آپ اپنے دلی جذبات کو جدید لب و لہجے میں نہایت سادگی سے شعروں میں ڈھالنے کا ہنر جانتے ہیں۔ آپ نے منجملہ اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔

نمونۂ کلام :

ہم بھی رکھتے ہیں زبان منھ میں سخنور کی طرح
ہم ہیں انسان نہ سمجھو ہمیں پتھر کی طرح

وہ نہیں ہوتے کبھی سود و زیاں سے واقف
آ کے جو رونقِ بازار میں کھو جاتے ہیں

مرے نصیب کی گتھی چلے ہیں سلجھانے
عجیب لوگ ہیں ہاتھوں میں کنگھیاں لے کر

پھر حسینی لشکر کا انتظار ہے سب کو
وقت کے یزیدوں کا خاتمہ ضروری ہے

آنچل یہی کل عظمتِ حوا کا تھا ضامن
اور آج یہ تہذیب و تمدن کا کفن ہے

تم اجالوں کے پرستار ہو تم کیا جانو
کس طرح لوگ اندھیروں میں جیا کرتے ہیں

آئے ہیں جب سے یہاں سفاک و غارت گر کے پاؤں
دیکھنے کو ہم ترستے ہیں حسیں منظر کے پاؤں

ہے تیرے سوا کون مرے تارِ نفس میں
تو ساز ہے، تو نغمہ ہے، تو نغمہ سرا ہے

یہ شہرِ نگاراں ہے یا شہرِ ستم گر ہے
ہر دل میں عداوت ہے ہر ہاتھ میں پتھر ہے

تو میرے دامنِ عظمت کو تار تار نہ کر
گداگروں کی صفوں میں مجھے شمار نہ کر

حشمت کمال پاشا

مٹیا برج کی مشہور شخصیت محمد حنیف مرحوم تمبا کو والے کے لائق و فائق فرزند حشمت کمال پاشا کی پیدائش ۲ر نومبر ۱۹۴۵ء کو گہوارۂ علم و ادب مٹیا برج میں ہوئی۔ آپ کی تعلیم بی۔ کام تک ہے۔ شعر و ادب سے دلچسپی کے سبب ایک ادبی تنظیم ''نوائے قلم'' کی بنیاد رکھی۔ عہدِ شباب میں مشہور اناؤنسر امین سیانی کی آواز کی نقالی کے لئے مشہور ہوئے۔

آزادی کے بعد مغربی بنگال میں بچوں کے ادب پر سالک لکھنوی، اشک امرتسری، ذوالنورین صدیقی مسحور، شفیع تمنا کلکتوی، علقمہ شبلی (مجموعہ ''زمین کے تارے'') ساگر چاپدانوی، معصوم شرقی، نذیر احمد یوسفی، عابد ضمیر، مشتاق اعظمی، حشمت کمال پاشا (مجموعہ ''معصوم کرنیں'')، محسن باعشن حسرت (مجموعہ ''بچے پھول ہوتے ہیں'') اور فراغ روہوی (مجموعہ ''جب ہم بھی بڑے ہو جائیں گے'') نے بچوں کے ادب پر بہت کچھ لکھا۔ ان میں بیشتر شعراء نظموں یا غزلوں کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔ لیکن شفیع تمنا کلکتوی اور حشمت کمال پاشا نے صرف بچوں کے ادب کو ہی اپنا محبوب موضوع بنایا اور بچوں کے لئے ادب تخلیق کیا۔ پاشا نے نظموں کے علاوہ اگر کہانیاں بھی لکھیں تو ان میں بھی بچوں کی نفسیات اور ان کی عمر کو ملحوظ رکھ کر لکھا اور کئی سبق آموز کہانیاں تخلیق کیں۔ بچوں کے لئے نظمیں ہوں یا کہانیاں، ان میں انھوں نے اپنے گہرے مشاہدات اور تجربات کو بچوں کی زبان بن کر اپنی شاعری کے وسیلے سے بڑوں تک پہنچایا۔ پاشا کی نظموں کا ایک مجموعہ ''معصوم کرنیں'' شائع ہوا' جسے مغربی بنگال اردو اکادمی نے انعام سے نوازا۔ سلیم مٹیا برجی کے کلام کا انتخاب ''افکارِ سلیم'' کے نام سے ترتیب دیا۔ نرسری رائمز پر مشتمل ایک نصابی کتاب ''گاتے حروف'' تخلیق کی۔ حشمت کمال پاشا کی شاعری پر اپنے خیالات کا اظہار معروف شاعر اعزاز افضل ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''حشمت کمال پاشا بچوں کی نفسیات پہچاننے میں کمال کی مہارت رکھتے ہیں۔ ان کے موضوع دلچسپ مگر معلوماتی، ان کی زبان سہل مگر بامحاورہ، ان کی بحر سیدھی سادی مگر رواں دواں اور مترنم ہوتی ہے۔''

نمونۂ کلام :

''ت'' سے لکھوں تو تا کہ ''ط'' سے لکھوں طوطا — املا کا مگر زیر و زبر دیکھ رہا ہوں

بوڑھوں کی طرح سوچیں گے سنجیدہ ہو کے ہم — بچپن جو یاد آئے گا عہدِ شباب میں

اے اللہ میاں تم تو ہر چیز پہ قادر ہو — کیوں ہفتے میں اتواریں دو بار نہیں کرتے

اب تو سنڈے کے روز بھی ٹیوشن — ایسی چھٹی کو کیا کرے کوئی

ہم خوب سمجھتے ہیں دادا کی محبت کو گنواتے ہیں وہ گنتی اور پیار نہیں کرتے
یا الٰہی تو پاس کر دے اب اور کب تک سڑا کرے کوئی
خوابوں میں بھی اسکول کا در دیکھ رہا ہوں ایگزام کی آمد کا اثر دیکھ رہا ہوں
تم بھی بانٹو خوشیاں پاشا دھرتی کے بن جانا چاند
جو لینا ہو پاشا تم کو رب سے ہاتھ اٹھا کر مانگو
اس نے جب بھی مانگا ہے بازار کا حساب دکھلا دیا صفر انھیں ہم نے جواب میں

ظفر العالم خطری

ظفر العالم خطری مٹیا برج کے ان نثر نگاروں میں ہیں جنھوں نے نہ صرف ادبی مضامین قلم بند کئے بلکہ انگریزی زبان کی چند نظموں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ آپ کی پیدائش ۱۹ر جنوری ۱۹۳۸ء کو گورا چاند لین' کلکتہ میں ہوئی۔ ۱۹۵۲ء میں آپ مٹیا برج چلے آئے جہاں آج بھی آپ کا قیام ہے۔ آپ کی تخلیقات مقامی و بیرونی اخبارات اور رسالہ ''شعر و حکمت'' میں شائع ہوئیں۔ آپ نے مغربی بنگال کے ممتاز ادیب و شاعر ظفر اوگانوی، اعزاز افضل، فاروق شفق اور شمیم انور کے فن اور شخصیت پر مضامین تحریر کئے۔ شیلا چٹرجی کی کہانی ''ریفارمر'' ایک عربی کہانی ''کڑوی روٹی'' ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کی تین نظمیں ''ویسٹ لینڈ، جینوین'' اور پابلو نرودا کی نظم ''ماچو پکچو'' ایلیٹ کے ڈرامے ''کلیسا میں قتل'' اور ایک تامل کہانی ''آنکھیں'' کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ان کے تراجم ماضی میں وقتاً فوقتاً اخبارات میں شائع ہوئے۔ مختلف مسائل اور ضعیف العمری کے سبب گذشتہ کئی برسوں سے گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

مولانا قاسم علوی

آپ بزرگ اور مذہبی ہستی مولانا رحمت علیؒ کے صاحب زادے ہیں۔ مولانا قاسم

علوی صاحب ستمبر ۱۹۴۹ء کو فیض آباد کے ایک گاؤں ڈھلمو میں پیدا ہوئے۔ گذشتہ ۲۵ر برسوں سے مستقل قیام مٹیا برج میں ہے۔ بنیادی تعلیم گاؤں کے مدرسہ علویہ حنفیہ میں ہوئی۔ ثانوی تعلیم کے لئے مدرسہ منظرِ حق میں داخلہ لیا جہاں آپ نے ہند و پاک کے مشہور عالمِ دین حضرت مولانا شمس الدین صاحب جعفری جونپوری اور دیگر اساتذۂ کرام سے کسبِ فن کیا۔ ۱۹۶۹ء کے بعد کانپور کی درسگاہ ''احسن المدارس'' میں تعلیم مکمل کی۔ آپ ایک امام، خطیب اور مقرر کے ساتھ ایک سنجیدہ شاعر اور اچھے نثر نگار بھی ہیں۔ آپ نے سرزمینِ مٹیا برج میں جلوسِ محمدی کی بنیاد ڈالی۔ یہ جلوس ہر سال بزمِ رضائے مصطفےٰ کے زیرِ اہتمام ربیع الاوّل کے مقدس مہینے میں نکلتا ہے۔ مولانا قاسم علوی قوم وملت کے لئے حساس دل رکھتے ہیں۔ اس لئے قومی وملّی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ بحیثیت شاعر غزلیں اور قصائد کہتے ہیں جن میں فنی اور فکری سطح پر اپنے احساسات وجذبات کو جس انداز میں پیش کرتے ہیں وہ قابل تحسین ہے۔ نعتیہ قصائد میں آپ نے سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے اپنی بے پناہ عقیدت اور پاکیزہ جذبات واحساسات کا اظہار خوبصورت اور دل کش پیرائے میں کیا ہے۔ آپ نے کئی اچھی غزلیں بھی کہیں ہیں جن میں غزل کے حسن اور معیار کو برقرار رکھا ہے۔ آپ کی تین نثری کتابیں ''پکار، انسانیت کیا ہے'' اور ''آئینہ'' شائع ہو چکی ہیں۔ آپ نے عالم، ادیب اور ادیبِ ماہر کے امتحانات علی گڑھ سے پاس کئے۔

نمونۂ کلام :

اہلِ نظر لبوں کی ہنسی ہی نہ دیکھئے — دل میں بھی دیکھئے کہ جہاں غم ہیں بے شمار

کس قدر دشوار جینا ہے میں تجھ سے کیا کہوں — زندگی پر موت کا ہر دم گماں ہوتا رہا

اے امینِ قوم و مذہب ملک وملت کے امام — آنے والا دور لے گا تجھ سے ہر پل کا حساب

کہاں ہو مذہبِ عشق و وفا کے دیوانو — اٹھو چراغِ محبت بجھائے جاتے ہیں

لمحہ لمحہ کرب کی سولی پہ میں چڑھتا رہا — زہر سچائی کا میں ہر دور میں پیتا رہا

قاتلانِ وقت کو مظلوم جو دکھلائے گا — منصفوں میں وہ بہ صدا کرام لکھا جائے گا

پھر ایک مدت پہ یاد آئی لبوں پہ مچلے وفا کے نغمے
مگر مری بے بسی ہے کیسی کہ جرم ہے تیرا نام لینا

ہمارے حوصلوں کی لے پہ طوفاں رقص کرتے ہیں
مٹا دو گے ہمیں، اب اس گماں کو تم بدل ڈالو

پھیلا تو کائنات کی وسعت بھی گھٹ گئی
سمٹا تو ایک ذرہ بھی مجھ سے سوا ہوا

نادان دوستوں کو علوی میں کیا کہوں
شیشے کے گھر میں بیٹھ کے پتھر چلاتے ہیں

غلام معین

نام سیّد غلام معین الدین، ادبی نام غلام معین۔ ولدیت سیّد نہال الدین۔ تعلیم ایم اے، بی ٹی۔ آپ کی پیدائش ۱۲ر فروری ۱۹۴۱ء کو گیا، بہار کے گاؤں آبگیلا میں ہوئی۔ مٹیا برج کی مشہور علمی درسگاہ مٹیا برج ہائی اسکول میں برسہا برس تک درس و تدریس کے فرائض انجام دے کر ریٹائرڈ ہو گئے۔ آپ ادبی، علمی اور سماجی کاموں میں نمایاں طور پر حصہ لیتے رہے۔ ایک متحرک اور فعال سماجی و علمی خدمت گار کے ساتھ آپ کو ادب سے کافی دلچسپی رہی ہے جس کے سبب نثری و شعری تخلیقات برابر منظرِ عام پر آتی رہی ہیں۔ آپ نے افسانے، انشائیے، مضامین اور آزاد و نثری نظموں پر طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کے مشہور افسانوں میں ''ستی''، ''جہاں سے دور ہے صحرا جہاں سے دور ہے گھر'' اور ''سوالات'' کے انشائیے، ''پان کی کہانی خود اس کی زبانی''، ''گلاب کی کہانی خود اس کی زبانی'' ادبی حلقے میں کافی مشہور ہوئے۔ آپ ترقی پسند نظریات کے حامل ہیں اس لئے بیشتر تخلیقات میں ترقی پسند خیالات ملتے ہیں۔ بچوں کے لئے بھی ایک مضمون ''شرارت ایک سائنس داں کی'' قلم بند کیا جو ماہنامہ ''شرارت'' میں شائع ہوا۔ ان کی ایک آزاد نظم ''روشنی'' ملاحظہ فرمائیں :

روز کوئی جشن ہوا کرتا ہے/ لوگ یومِ چراغاں مناتے ہیں/ گھروں کو اپنے سجاتے ہیں/ تاکہ دور ہو جائیں تاریکیاں سب/ دیپ تو دیپ ہیں/ سورج کی جلتی مشعل بھی/ ظلمتوں کے لئے/ کافی نہ ہوئی/ اب میں ان سے پوچھتا ہوں/ کیا روشنیاں/ دور کر سکیں گی/ ان اندھیروں کو/ جو بس گئی ہیں/ دلوں میں انساں کے/ جواب ان کا/ اگر نفی

ہے/تو پھر یہ دیے/روشنی کے بجھادو/تاریکیوں کو اور بڑھادو/کیوں کہ/جو نئے دیے
جلیں گے/نئے سورج ابھریں گے/وہ روشنی دلِ انساں ہوں گے

ڈاکٹر ساجدہ بانو

مٹیا برج کی جانی پہچانی شخصیت محمد ایوب انصاری کی صاحب زادی ڈاکٹر ساجدہ بانو ۱۴/اگست ۱۹۶۰ء کو مٹیا برج میں پیدا ہوئیں۔ آپ مٹیا برج کی پہلی خاتون ہیں جنھوں نے کلکتہ یونیورسٹی سے ایل. ایل. بی. اور پی ایچ. ڈی. کی سند حاصل کیں۔ آپ بھوانی پور کالج میں سینئر ریڈر کی حیثیت سے درس وتدریس کا فریضہ انجام دے رہی ہیں۔ ساجدہ بانو کئی سماجی وفلاحی تنظیموں سے وابستہ ہیں۔ آپ کو کئی سیمیناروں میں ادبی مضامین پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔ کئی مضامین اور افسانے آل انڈیا ریڈیو کلکتہ سے نشر ہوئے۔ ڈاکٹر ساجدہ بانو نے ایک ملاقات میں بتایا کہ میرا تحقیقی مقالہ ''ہندو بنگالیوں کی خدمات اردو ناول کے سلسلے میں'' کی اشاعت عنقریب ہے۔ آپ کے کاموں کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر انھوں نے اپنا ادبی سفر جاری رکھا تو مغربی بنگال کے خواتین ادب میں اپنی شناخت قائم رکھ سکتی ہیں۔

اصغر رضوی

نام سیّد اصغر حسین رضوی ادبی نام اصغر رضوی۔ آپ سیّد غلام حیدر رضوی صاحب کے گھر ۵/جنوری ۱۹۵۸ء کو مٹیا برج میں پیدا ہوئے۔ مستقل قیام مٹیا برج میں ہے۔ آپ کی پہچان شاعر اور نثر نگار دونوں حیثیت سے قائم ہوئی۔ آپ جتنے اچھے شاعر ہیں اتنے ہی اچھے نثر نگار بھی ہیں۔ ادبی زبان کا نمونہ آپ کی نثری وشعری تخلیقات میں ملتا ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ یہ زبان آپ کو وراثت میں اور مٹیا برج کی کلاسیکی تہذیب وثقافت سے ملی ہے۔ تعلیم گریجویشن تک ہے۔ شاعری میں آپ نے ماہرِ فن اور ممتاز شاعر سیّد علی ظفر شمیم اور

حضرت اختر ساز لکھنوی سے کسبِ فن کیا۔ نثری و شعری تخلیقات ہندوستان کے موقر جرائد میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ غزل، پابند نظم، نوحہ، سلام، قطعہ، مرثیہ، آزاد غزل، غزل نما، معریٰ نظم، نثری نظم اور قصائد جیسی اہم اصنافِ سخن آپ کے زیرِ قلم آئیں۔ آپ نے حضرت علیؑ، حضرت امام حسینؑ اور دیگر ائمہ کرام کی مدح میں قصائد کہے جنھیں اہلِ زبان و ادب نے سراہا لیکن بنیادی طور پر آپ غزل کے شاعر ہیں جس میں دلی جذبات و احساسات کا اظہار زبان کے وسیلے سے خوبصورت پیرائے میں کرتے ہیں۔ اصغر رضوی کی شاعری میں معنی آفرینی اور گہرائی کے ساتھ عصری مسائل کی تصویریں صاف طور پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ آپ نے ادب کے دیگر موضوعات اور شخصی مقالات بھی خاصی تعداد میں لکھے جن میں لکھنوی تہذیب اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی گہری چھاپ ملتی ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی زبان خالص ادبی اور مرصع ہے۔ تحریر کے ساتھ آپ کی تقریر کی زبان میٹھی، دلکش اور موثر ہوتی ہے۔ ہم عصر شعرا اور نثر نگاروں میں بلاشبہ وہ امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ اصغر رضوی کے پاس نثری و شعری سرمایہ کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ چار نثری و شعری مجموعے شائع ہو سکتے ہیں لیکن ناسازگار معاشی حالات کے سبب ان کا کلام منصۂ شہود پر نہیں آ سکا۔

نمونۂ کلام :

چلو اَنا کے جنازے کو دفن کر آئیں
کہ اب تو اس کا تعفن سہا نہیں جاتا

کر رہے ہیں دیکھئے جرأت عجب بچے مرے
پتھروں کے شہر میں آئینہ سازی کا خیال

کھل جا سم سم سیکھ کر سب بے عمل خوش ہو گئے
ایسے میں اصغر کوئی اہلِ ہنر کرتا بھی کیا

دانا دشمن دے گیا جینے کا اصغر حوصلہ
آستیں میں سانپ جو میرے پلے اچھے لگے

رشتۂ تعبیر کیسا دیدۂ بے خواب سے
قد کبھی اونچا نہیں ہوتا بڑے القاب سے

ہمارے دور میں بچے جواں پیدا ہی ہوتے ہیں
غبارے ہاتھ میں بچوں کے اب اچھے نہیں لگتے

وہ عکس دیکھ رہا تھا ندی کے پانی میں
صدا ندی سے یہ آئی مجھے خراب نہ کر

عجب کس نے ڈالا خلل پانیوں پر
ہوا لکھ رہی تھی غزل پانیوں پر

زباں نہیں ہے تو پھر شاعری نہیں اصغرؔ بجز زباں ہے مزا خاک شعر خوانی میں

ہزاروں سال کی کوئی دعا نہیں دیتے ہم اپنے بچوں کو یہ بد دعا نہیں دیتے

ڈاکٹر عبدالوہاب پردیسی

نام عبدالوہاب قلمی نام وہاب پردیسی۔ سنہ ولادت ۱۹۴۸ء جائے پیدائش مٹیابرج ہے۔ بنگالی بازار پرائمری اسکول میں مدرس اعلیٰ کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ کلکتہ یونیورسٹی نے آپ کے تحقیقی مقالہ "بلونت سنگھ: فن اور شخصیت" پر ڈاکٹر آف فلاسفی کی سند تفویض کی۔ ساتویں دہائی میں آپ ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے منظرِ عام پر آئے۔ ان دنوں آپ نے کئی اچھے افسانے تخلیق کئے جن میں "آتشِ زیرپا، کوکھ جلی، شیشے کی دیوار، سائے کی تلاش، تہہ در تہہ، سوال، زخم چارگر" اور "خول" جیسے افسانے قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۸۰ء سے آپ کا تخلیقی سفر تقریباً رک گیا۔ اس دوران آپ نے ایک بھی افسانہ تخلیق نہیں کیا جس کے سبب کلکتہ کے افسانوی ادب میں جو پہچان بنی تھی وہ قائم نہیں رہ سکی۔ وہاب پردیسی کے افسانوں میں رومانیت کے ساتھ سماجی مسائل کی جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ ان کے کئی افسانے مختلف اخبارات میں شائع ہوئے۔ اگر ادب سے ان کا رشتہ برقرار رہتا تو آج ان کا شمار بھی مغربی بنگال کے نمائندہ افسانہ نگاروں میں ہوتا۔

خالد قمر

جناب وجیہہ القمر مرحوم کے صاحب زادے خالد قمر کی ولادت ۵؍جنوری ۱۹۵۵ء کو بہار کے ادبی خطہ چکدین میں ہوئی۔ ۱۹۸۷ء سے مشقِ سخن جاری ہے۔ ابتدائی دنوں میں کہنہ مشق اور ماہرِ فن شاعر اختر ساز لکھنوی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ان کے بعد جنابِ کیف الاثر سے منسلک ہوئے۔ گذشتہ کئی برسوں سے کلام پر کسی سے اصلاح نہیں لیتے۔ خود نظر ثانی کرتے ہیں۔ موضوعاتی شاعری میں صنف قصیدہ خاص میدانِ سخن ہے۔ اس کے

علاوہ حمد، نعت، نظم، نوحہ، سلام، غزل، منقبت، سہرا، رخصتی، تہنیتی اور تعزیتی کلام کہنے پر قدرت رکھتے ہیں لیکن صنفِ قصیدہ میں ان کا فن خاص طور سے ابھر کر سامنے آتا ہے۔ زبان روایتی، خوبصورت اور شائستہ ہے۔ علم عروض اور فنِ شاعری پر اچھی مہارت رکھتے ہیں جس کے سبب کلام میں معائب کی نشان دہی ایک نظر میں کر لیتے ہیں۔ عروض سے غیر معمولی دلچسپی کے سبب ان کے کلام میں خامیاں بہت کم نظر آتی ہیں۔ مٹیا برج کی نئی نسل کے چند شعراء اور ادب کے طالب علم آپ سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ ان کی عروضی خوبیوں کا اعتراف نہ صرف دوست احباب بلکہ مخالفین بھی کرتے ہیں جو ایک کامیاب فن کار کی دلیل ہے۔ مثال کے طور پر خالدؔ قمر کے قصائد کے مجموعہ ''نغمۂ جاوداں'' کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ اردو دنیا کے ممتاز شاعر اعزاز افضل صاحب' خالدؔ قمر کی شاعری پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''نوجوان نعت گو شعراء کی جو کہکشاں نظر آتی ہے ان میں خالد قمر کا نام تابندہ ستارے کی طرح روشن ہے۔ اپنی کم عمری کے باوجود خالدؔ قمر بے عیب شعر کہہ سکتے ہیں۔'' علقمہ شبلی رقم طراز ہیں ''خالدؔ قمر نعتیہ قصیدوں میں اپنے جذبات' عقیدت و محبت کے اظہار میں قدم حدِ اعتدال سے آگے نہیں بڑھایا ہے۔ ان کے قصیدے فنی بے راہ روی کے بھی شکار نہیں ہوتے۔ ساتھ ہی زبان شگفتہ، بیان بے ساختہ اور الفاظ و تراکیب کی بندش قابلِ توجہ ہے۔''

نمونۂ کلام :

آپ ہی کا فیض ہے خالدؔ پہ اے اُمّی لقب
رفتہ رفتہ شاعری اس کی دمکتی جائے ہے

میرے لبوں پہ بعدِ خدا جب نام محمد آئے ہے
حسنِ عقیدت اور محبت میں سر خود جھک جائے ہے

دولت اگر ہے مانگنا تو مانگ لے خالدؔ قمر
اس شافعِ محشر سے میری التجا کچھ اور ہے

بظاہر شاعری خالد بہت آسان ہے لیکن
نبیؐ کی مدح میں اہلِ ہنر کے ہوش اڑتے ہیں

وحدانیتِ حق کی تبلیغ کو وہ ہادی
اقراء کا علم لے کر بااسمِ خدا نکلا

اپنی نگاہِ شوق سے کیسے نہ میں چوموں اسے
میرے لئے محبوبِ رب کا نقشِ پا کچھ اور ہے

ہیں اس کے قدموں میں ماہ و اختر، اس کے قبضے میں حوضِ کوثر ہے
ہے اک وہی افتخارِ مرسل، وہی شہنشاہِ مرسلیں ہے

ساتھ دے گی قوتِ غیبی ترا اے مردِ حق — موڑ حکمت سے رخِ تخریب کو تعمیر سے
تو جس کی بدولت تھا کبھی فاتحِ عالم — قبضہ میں ترے آج وہ شمشیر نہیں ہے
میں اس کے رنج و مصائب میں ساتھ تھا لیکن — کوئی نہ آیا مرے گھر سے جب دھواں نکلا
چراغِ زندگی میرا جو گل کرنے کے در پہ ہیں — انھیں کہہ دو کہ وہ بھی عمرِ فانی لے کے آئے ہیں

سیّد علی نظر وسیم

سیّد علی نظر وسیم مغربی بنگال کے کہنہ مشق اور استاد شاعر سیّد علی ظفر شمیم مرحوم کے لختِ جگر ہیں۔ ان کی ولادت ۱۳ر جنوری ۱۹۶۳ء کو علم و ادب کی سرزمین مٹیا برج میں ہوئی۔ کلکتہ یونیورسٹی سے بی.ایس.سی.، ڈی.ایچ.ایم.ایس. کی سندیں حاصل کیں۔ شاعری ورثہ میں ملی ہے۔ آپ کا گھرانا سازگار ماحول اور شعر و سخن کی فضاؤں سے معمور تھا۔ وسیم صاحب نے والدِ محترم سے کسبِ فن کیا۔ آپ ایک ذہین اور بالغ نظر شاعر ہیں۔ غزل ہو یا قصیدہ نگاری دونوں اصنافِ سخن میں منفرد رنگ جھلکتا ہے۔ اندازِ بیاں متاثر کن ہے۔ لفظوں کا برجستہ استعمال، نئی نئی تراکیب اور قافیہ و ردیف کو مختلف انداز سے پیش کرنے کا اچھا ہنر جانتے ہیں۔ ان کی فکر دوسروں سے جدا ہے۔ آپ سادہ لوح، کم سخن اور تنہائی پسند ہیں۔ مزاج میں اعتدال اور نگارش میں اعتبار کی جھلک نظر آتی ہے۔ وسیم نے موضوعاتی اور مذہبی شاعری پر خاص توجہ دی ہے اس لئے مرثیہ، سلام، منقبت، نعت، نوحہ، نظم، قصیدہ اور غزل پر خامہ فرسائی کرتے رہے ہیں۔ دو نصابی کتابیں ''اردو خط و کتابت'' اور ''فزیکل سائنس'' شائع ہوئی ہیں۔ غیر مطبوعہ تصانیف میں ''لغات التر ادفات''، کچھ انگریزی نظموں کا اردو ترجمہ اور مصنفہ ڈاکٹر پیام اعظمی کی کتاب ''اسلام ہی کیوں؟'' کا انگریزی ترجمہ، ان کی دیگر تحریروں میں نوحوں، ماتموں اور سلاموں پر مشتمل کتابچہ، حافظ شیرازی کی دس غزلوں کا منظوم ترجمہ

ڈاکٹر محمد زاہد نے اپنی کتاب ''لفظوں کے چراغ'' کے ایک مضمون ''اردو ادب میں مٹیا برج کی خدمات'' میں مٹیا برج کے دو شاعروں فاروق شفق اور ڈاکٹر شمیم انور پر چار پانچ سطور ان کی شعری خوبیوں کے تعلق سے قلم بند کئے ہیں۔ یہ شعرا اپنی ادبی خدمات کی روشنی میں مستحق ہیں۔ لیکن ان کے بعد ہی آپ لکھتے ہیں کہ ''ان دو شاعروں کے ساتھ ایک پوری بھیڑ امڈتی ہے جن شعراء کو انھوں نے بھیڑ میں شامل کیا ہے ان میں سے بیشتر کا شمار مغربی بنگال کے خوش فکر معروف اور مٹیا برج کے سینئر شعرا میں ہوتا ہے۔ جن کے فن اور شخصیت پر مشاہیر اہلِ قلم نے مقالات لکھے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ان کا کلام نشر ہوتا ہے، ان کی تخلیقات ملک اور بیرونِ ملک کے معروف اخبارات اور جرائد میں نمایاں طور پر شائع ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر محمد زاہد کی کتاب کے دیباچہ میں ڈاکٹر شمیم انور مضمون ''اردو ادب میں مٹیا برج کی خدمات'' پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''ڈاکٹر محمد زاہد کے مضامین میں اختلافات کی گنجائش موجود ہے۔ خاص کر مقالہ ''اردو ادب میں مٹیا برج کی خدمات'' نامی مضمون مکمل ہوتے ہوئے بھی نامکمل ہے اور اہلِ قلم کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔''

ڈاکٹر محمد زاہد نے مٹیا برج کے جن معروف شعرا کو بھیڑ میں شامل کیا ہے ان میں سے چند کے نام توجہ کے طالب ہیں۔ مشتاق جاوید، ایم. کے. اثر، ڈاکٹر محفوظ حسن رضوی پنڈرک، شمس مٹیا برجی، یونس پرویز، سراج مونگیری، دانا سکندر پوری، انجم باروی، دلکش اعظمی، تجمل علی فہمی، بسمل یوسفی، انور حسین انجم، بدرالدین بدر، ہارون شارب، حشمتِ کمال پاشا، سعید کاشف، عبدالرحیم بیتاب وغیرہ۔

ڈاکٹر محمد زاہد نے مغربی بنگال کے ان نمائندہ شعراء کو بھیڑ میں شامل کر کے ان کے ادبی چہرے کو مجروح کیا ہے۔ مٹیا برج کی نئی نسل کے شعراء میں ایک اہم نام علیم الدین علیم کا بھی ہے جو شعری مجموعہ ''ہوا کی یورش'' کے خالق ہیں۔ افسوس! ان کا نام ہم عصر شعراء کی بھیڑ میں بھی شامل نہیں ہے۔

راقم الحروف نے مٹیا برج کے چھوٹے بڑے شاعروں اور نثر نگاروں کا تذکرہ ان کی

اور ایک فارسی کتاب" **الادعیة والتحصیلات من الایا البنات**" کا اردو ترجمہ قابلِ ذکر ہیں۔ حالاں کہ وسیم نظر کی زبان روایت اور کلاسیکیت سے جڑی ہوئی ہے، لیکن وہ جدید لب ولہجہ میں بھی خوبصورت شاعری کرتے ہیں جس میں عصری حالات اور نئے تقاضے شامل ہوتے ہیں۔

نمونۂ کلام :

ذلیل پانی سے آغاز' انتہا مردار
ملاحظہ تو کریں آدمی کا پس منظر

اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا معیشت کا زوال
پیٹ بھرنے کے لئے بکنے لگی ہے آبرو

آبروؤں کی چتائیں جل رہی ہیں جا بجا
خوابگاہِ عیش میں' سوداگری کی دھوپ میں

یہ شاید سوکھے پتوں کی دعائیں کام آتی ہیں
فصیلِ آسماں کا ہر جھروکا پانی پانی ہے

فلک سے جب اچانک آگ کی برسات ہوتی ہے
پرندہ اپنی قوت آزمانا بھول جاتا ہے

جو دھرتی کیمیائی اسلحوں کا سہہ چکی حملہ
وہاں ہیرا بھی نکلے گا تو وہ چٹخا ہوا ہوگا

غرورِ خود نمائی نے میری پہچان لے لی تھی
بچایا چہرۂ اصلی کو میں نے آئینہ کھوکر

بھیڑ کا چولا بدل کر بھیڑیا چھپتا نہیں
موت کے تاجر کو دیکھا رہنما کے بھیس میں

آبشاروں کی ہنر مندی پہ ہے ہم کو یقیں
پتھروں کا سارا دعویٰ کھوکھلا ہوجائے گا

ہم ایسی ہر بڑی طاقت کی سازش فاش کریں گے
ادھوری داستاں دہشت کی جو ہم کو سناتی ہے

امان اللہ ساغر

نئی نسل کے جواں فکر شاعر امان اللہ ساغر کی پیدائش ۱۹۶۲ء کو جیوا بیگہ، اورنگ آباد، بہار میں ہوئی۔ والد صاحب کا اسم گرامی نور محمد مرحوم ہے۔ آپ مغربی بنگال کے بزرگ استاد شاعر حضرتِ ناظم سلطان پوری کے عزیز تلامذہ میں ہیں۔ آپ نے غزل، ماہیا، رباعی، قصیدہ اور نظم پر قلم اٹھایا۔ لیکن غزل اور قصیدہ نگاری پسندیدہ اصناف سخن ہیں۔ موقر اخبارات وجرائد میں آپ کی تخلیقات شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قصائد اور غزلوں کا مجموعہ ترتیب دے

رہے ہیں۔ چوں کہ شاعر سماج کا ایک فرد ہوتا ہے لیکن عام انسانوں کی بہ نسبت وہ زیادہ حساس ہوتا ہے۔ اس لئے شاعر بھی سماج میں ہمہ وقت بے شمار مسائل سے الجھتا رہتا ہے۔ ان ہی مسائل اور تقاضوں کو شعروں میں ڈھالنے والے کو شاعر کہتے ہیں۔ ساغرؔ بھی اپنے قصائد اور غزلوں میں عصری تقاضوں، مسائل اور زندگی کی تلخ سچائیوں کو خوبصورت انداز، دل پذیر لب ولہجہ میں پیش کرنے کا ڈھنگ جانتے ہیں۔ ان کا لہجہ بیک وقت ترقی پسندی، روایت اور جدیدیت سے ہم آہنگ ہے اس لئے ان کے اشعار قاری اور سامع کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔ مٹیا برج کی نئی نسل میں امان اللہ ساغرؔ ایک اہم نام ہے۔

نمونۂ کلام :

گھر لوٹنا چاہو تو وہ رستے بھی نہیں ہیں
اور شہر کے حالات کچھ اچھے بھی نہیں ہیں

تیر و ستم سے بچنے کے رستے تو ہیں مگر
تیغِ کرم سے خود کو کہاں تک بچاؤں میں

ایک چہرے پر ہزاروں سرخیاں ہیں وقت کی
ہو گئے ہیں سر سے لے کر پاؤں تک اخبار لوگ

وہ جو اپنی گونج اندر کی ہے اس کی بھی سنو
کب تلک باہر کی دھن پر رقص کرتے جاؤ گے

اتنی آسان نہیں برگ و ثمر کی منزل
عمر کٹ جاتی ہے پودے کو شجر کرنے میں

جہاں پہنچ کے اکھڑتے ہیں حوصلوں کے پاؤں
کچھ ایسے موڑ بھی رستے میں امتحاں کے ہیں

مجھے تو قتل ہونا ہی تھا رستے میں بہر صورت
جو قاتل بخش دیتا قتل میرے ہم سفر کرتے

نہیں معلوم کتنے طنز کے پتھر چلے ہوتے
اگر ہم بھی کسی کمزور ٹہنی پر پھلے ہوتے

اس طرح تیز ہواؤں کا ہے حملہ مجھ پر
اب بھی روشن مرے اندر کا دیا ہو جیسے

جو ساغرؔ ہم بھی کر لیتے ضمیر و ظرف کا سودا
بڑے آرام سے حل زندگی کے مسئلے ہوتے

علیم الدین علیمؔ

نام محمد علیم الدین خاں تخلص علیمؔ ہے۔ یکم جولائی ۱۹۴۶ء کو لکھن پور، ضلع مونگیر، بہار میں محمد فہیم خاں صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ مشورۂ سخن کے لئے حضرتِ قیصر شمیم کے آگے

زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ مٹیا برج کی فلاحی تنظیم ''انجمن بہار المسلمین'' کے سابق سکریٹری اور ''بزمِ اہلِ قلم'' کے بانی ہیں۔ ''رائٹرز ایسوسی ایشن'' ہوڑہ کے ایگزیکٹیو ممبر ہیں۔ آپ کی تخلیقات بنگال اور بیرونِ بنگال کے ادبی جرائد میں شائع ہورہی ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو، کلکتہ پر بھی کلام پیش کرنے کا شرف حاصل ہے۔ نعت، منقبت، ماہیا، رباعی، ثلاثی، نظم اور غزلوں پر مشق جاری ہے۔ علیم الدین علیم کی زبان و بیان میں سادگی، نفاست اور شائستگی پائی جاتی ہے۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی بات کو خوبصورت اور انوکھے انداز میں نظم کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ ان کے بیشتر اشعار عصری حسیت اور حالاتِ حاظرہ کے عکاس ہیں جن میں انھوں نے گردو پیش کے حالات کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ آپ اپنے پاس کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور چھوٹی چھوٹی سچائیوں سے اپنی شاعری کے لئے مواد اخذ کرتے ہیں۔ ۲۰۰۲ء میں غزلوں کا ایک مجموعہ ''ہوا کی یورش'' منظرِ عام پر آیا۔ اس مجموعہ سے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں۔ اردو دنیا کی ممتاز شخصیت جناب نادم بلخی علیم کی شاعری پر اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ ''قدیم و جدید مقبول اصنافِ سخن سے دلچسپی رکھنے کے باوجود فن کار کی بنیادی دلچسپی صنفِ غزل سے ہی ہے اور اسی میدان کا وہ ایک ہونہار اور کامیاب مجاہد ہے۔ خوش قسمتی کہئے کہ ایک محترم اور بزرگ خوش فکر اور استادِ فن شاعر حضرتِ قیصر شمیم کے آگے زانوئے ادب تہہ کرنے کا صاحبِ کتاب کو موقع مل گیا۔''

نمونۂ کلام :

ہر قدم پر تھی ہوا کی یورش ایک ننھا سا دیا کیا کرتا
وسعت ہے ترے ذہن میں تو تاج محل رکھ یہ تاج محل میرا ہے لے میری غزل رکھ
گھر میں تھا جو کچھ اثاثہ اس کا بٹوارہ ہوا چارپائی مجھ کو دی اور بھائی بستر لے گئے
للک سے گھر تو بنایا ندی کے پاس مگر وہاں بھی رقص شرر ہوگا یہ گمان نہ تھا
بیٹیاں اب کنواری ہی رہنے لگیں جب سے کرنے لگا کاروبار آدمی

جب پڑی میری نظر محراب پر یاد آئی تیری انگڑائی بہت
ہے تو بہت بلند عدالت کا مرتبہ منصف بھی کاش ہوتا جہانگیر کی طرح
لاؤ لشکر میاں رہتے مرے آگے پیچھے کاش رہتی مرے اجداد کی جاگیر ابھی
گونجتی ہے ارض گیتی پر صدائے احتجاج کر دیا مسمار ظالم نے خدا کا گھر لکھو

میں یوں بھی اس سے ذرا فاصلے سے ملتا ہوں
جو اپنے نام کے آگے خطاب رکھتا ہے

ڈاکٹر محمد کاظم

ڈاکٹر محمد کاظم ۲ر جنوری ۱۹۷۱ء کو صوبہ بہار کے ضلع دربھنگا میں پیدا ہوئے۔ چند برسوں بعد اپنے والد جناب مطیع الرحمٰن صاحب کے ساتھ کلکتہ چلے آئے اور مولانا آزاد کالج، کلکتہ سے بی.اے. اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی سے ۱۹۹۴ء میں ایم. اے. فرسٹ کلاس سے پاس کیا۔ پھر دہلی یونیورسٹی میں اردو کے لکچرر رہوئے۔ آپ کو ڈراما نگاری سے گہری دلچسپی رہی ہے۔ لیکن آپ اردو ادب کے دیگر اصناف پر بھی اچھی نظر رکھتے ہیں۔ آپ کا تحقیقی مقالہ ''ہندوستانی نکڑ ناٹک اور سماجی معنویت'' پر جواہر لال نہرو یونیورسٹی نے ڈاکٹر آف فلاسفی کی سند تفویض کی۔ ۱۹۹۶ء میں ان کے ایم. فل. کا موضوع تھا ''مغربی بنگال میں نکڑ ناٹک''۔ ۱۹۹۶ء میں بہروپ آرٹس گروپ قائم کیا۔ اس گروپ کے تحت ہندوستان کے مختلف شہروں میں ڈرامے اسٹیج کر رہے ہیں۔ مشہور اردو جریدہ ''آج کل'' دہلی میں سب ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ مغربی بنگال میں جو نکڑ ناٹک کئے جاتے ہیں یہ انہی کی محنت اور کوششوں کا نتیجہ ہے۔ آپ نہایت خاموشی سے زبان و ادب کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ برسوں مٹیا برج میں قیام پذیر رہے۔ نکڑ ناٹک ڈراموں پر مشتمل آپ کی ایک کتاب ''مغربی بنگال میں نکڑ ناٹک'' شائع ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر محمد شکیل اختر

جناب شمس الدین کے صاحب زادے محمد شکیل اختر نے ۲۸ نومبر ۱۹۶۵ء کو دنیا میں قدم رکھا۔ آپ شروع سے ہی نثر نگاری کی طرف متوجہ ہوئے اور کئی معیاری مضامین قلم بند کئے۔ کلکتہ یونیورسٹی نے آپ کے تحقیقی مقالہ ''اردو میں نشریاتی ادب'' پر ڈاکٹر آف فلاسفی کی سند تفویض کی۔ ان دنوں آپ آل انڈیا ریڈیو، دہلی میں ملازم ہیں۔ مقالہ اردو زبان کے حوالے سے ''معیارِ بندیاتِ زمن'' دہلی کے اخبار عماد میں شائع ہوا۔ راشٹریہ سہارا' دہلی میں مقالہ ''نیشنل اوپن اردو یونیورسٹی، امکانات اور مسائل'' اور سہ ماہی ''مژگاں'' کلکتہ میں ''ریڈیو ڈراما ایک جائزہ'' شائع ہوئے۔ محکمہ السنہ' دہلی کی جانب سے منعقد ہونے والے سیمینار میں مقالہ ''اردو ادب کی ترویج میں نشریات کا رول'' پڑھا۔ ان کے علاوہ شکیل اختر نے اردو اکیڈمی' دہلی کے سیمینار میں مقالہ ''ریڈیو کے اردو پروگرام، معیار و مسائل'' پیش کیا۔ تحقیقی مقالہ ''اردو میں نشریاتی ادب'' طباعت کے مرحلے میں ہے۔ آپ نثر نگاری کی طرف تیزی سے گامزن ہیں۔

حکیم وارثی

مٹیا برج کے بزرگ، کہنہ مشق اور صوفی شاعر حکیم وارثی کا اصل نام حکیم عالم خان وارثی ہے۔ آپ کی ولادت ۱۵ ستمبر ۱۹۳۷ء کو انٹالی، کلکتہ میں ہوئی۔ گذشتہ چالیس برسوں سے مٹیا برج میں قیام پذیر ہیں۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی حکیم یوسف خان ہے۔ شاعری میں آپ استاد شاعر عادل کلکتوی سے استفادہ کرتے رہے۔ صوفی ازم کی تبلیغ میں نمایاں طور پر حصہ لیا کرتے ہیں۔ ابتدائی دنوں میں غزلیں، منقبت اور نعت کہا کرتے تھے۔ بعد ازاں صوفیانہ کلام کہنے لگے۔ چوں کہ آپ صوفی منش انسان ہیں، اس وجہ سے ان کے کلام پر صوفیانہ رنگ غالب ہے۔ آپ معمر صوفی بزرگ حاجی وارث علی پاکؒ کے مریدوں میں شامل ہیں جس کے سبب ان کی نگاہ میں دنیاوی رنگ و نور بے کیف ہو گیا ہے۔ آپ

ہمیشہ عشقِ رسولؐ اور حبِ اہلِ بیت میں سرشار نظر آتے ہیں۔ چوں کہ آپ صوفی شاعر ہیں اس لئے اپنے کلام میں مذہبی اور صوفیانہ مضامین باندھ رہے ہیں جن میں شائستگی و پاکیزگی ہے۔ آپ کے عقیدت مندوں کی خاصی تعداد ہے۔ آپ کی زندگی ظاہری نمائش اور تصنع سے پاک ہے۔

نمونۂ کلام :

غمِ مے کشانِ عشق کو ہے بادۂ حیات
کیسے وہ جی رہا ہے جو کہتا ہے غم نہیں

کارِ جہاں دراز سہی اے غمِ حبیب
وہ ہم کو بھول جائیں گے ایسے تو ہم نہیں

تحقیق و جستجو سے یہ ہم کو پتہ چلا
ہم جس کو ڈھونڈتے ہیں وہ ہم پر نثار ہے

عشق اک آگ ہے جس کا یہ کرشمہ دیکھا
پیاس بڑھتی ہے تو دامن مرا نم ہوتا ہے

کون سمجھے گا مرے حسنِ تصور کو حکیم
یہ نشہ وہ ہے جو بڑھتا ہے نہ کم ہوتا ہے

حجابِ آگہی خود پردہ دارِ شوق ہے ورنہ
جنوں کی خود نمائی کو نمایاں کون دیکھے گا

یہ اپنی آبلہ پائی ہمیں منظور ہے لیکن
سلگتی ریت پر زخموں کو عریاں کون دیکھے گا

قسمت پھری تو وقت کے تیور بدل گئے
لوگوں نے میرا نام سنا اور جل گئے

جرأت عجیب شئے ہے محبت کی راہ میں
میں یوں گرا کہ دیکھنے والے سنبھل گئے

اک تم ہو کل جہاں تھے وہیں آج ہو حکیم
اک وہ ہیں جو زمانے سے آگے نکل گئے

کشیشور

ہندی ادب کے مشہور شاعر، افسانہ نگار، ڈراما نویس، فلمی گیت کار اور ڈائیلاگ رائٹر کشیشورؔ کی پیدائش ۳۰ ؍جنوری ۱۹۴۹ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ کلکتہ یونیورسٹی سے بی۔کام۔ اور پریاگ سے ساہتیہ رتن کی سند حاصل کی۔ کشیشور نے مختلف شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دئے۔ ۱۹۹۷ء میں نظموں کا ایک مجموعہ ''جوالا مکھی پر کھلا ہوا پھول'' کلکتہ سے جاری ہوا۔ یک بابی ڈراما ''چوپٹ راجہ'' ۱۹۸۴ء میں گورکھپور سے منظرِ عام پر آیا۔ آپ کے مشہور

ڈراموں میں ''شیشے کی دیوار''، ''نئی منزل''، ''چور چور موسیر بھائی''، ''پوسٹر''، ''بکساتوڑ'' قابلِ ذکر ہیں۔ ڈراما ''بکساتوڑ'' کو ڈیہری آن سون بہار کے انعامی مقابلے میں بہترین ڈراما کا ایوارڈ دیا گیا۔ افسانوں کا ایک مجموعہ ''ڈھاک ڈھول'' زیرِ ترتیب ہے۔ آپ کے بہترین افسانوں میں ''ایک کیلو چاول''، ''چہرے''، ''اِس پار اُس پار''، ''اجنبی''، ''دویپ (جزیرہ)'' اور ''جھانکتی آنکھیں'' ہندی کے مشہور جرائد سم ویت، گلپ بھارتی، کہانی کار، دھرم یگ، کہانی، لوک ساسن، جن سنسار اور ہنس میں شائع ہوئے۔ ایک ہندی فلم ''انجانے مہمان'' میں گیت اور ڈائیلاگ لکھے۔ یہ فلم ۱۹۷۵ء میں ریلیز ہوئی۔ آپ کے قلم سے تحریر کردہ ہندی سیریل DD-2 پر ۱۹۹۹ء میں دکھایا گیا۔ اس سیریل میں آپ نے گیت اور ٹائٹل سانگ (Song) لکھا تھا۔ ہندی ٹیلی فلم ''منزل'' میں بھی ڈائیلاگ لکھے۔ ۱۹۸۸ء کے کلکتہ بک فیئر میں آپ نے نمائشی تصویروں کے نیچے ''فوٹو ٹاک''، یعنی مزاحیہ اور طنزیہ جملے لکھے۔ بک فیئر میں یہ ایک نئی چیز تھی جسے سراہا گیا۔ آپ کی ایک منی کہانی ''کستوری'' کو بنارس کے ادارہ ''کہانی کار'' نے دوسرے انعام سے نوازا۔ بنیادی طور پر آپ نظموں کے شاعر ہیں اور اچھی نظمیں تخلیق کرتے ہیں۔ کبھی کبھی غزلیں بھی کہہ لیتے ہیں۔

نمونۂ کلام :

''پتھر''

چاندنی رات تھی/ چاند تھا/ میں بھی تھا تنہا اداس/ ٹیلے پر بیٹھا ہوا/ چاند کو تکتا تھا/ یک بہ یک/ چاند مجھے دیکھ کر ہنسا/ اور بولا/ تم جس کے انتظار میں بیٹھے ہو/ میں بھی اسی کے انتظار میں پتھر ہو گیا ہوں۔

چوروں کے سر پہ تاج یہ کیا دیکھ رہا ہوں — غنڈوں کا ہوا راج یہ کیا دیکھ رہا ہوں
بھائی کی ہوگی نوکری بہنا گئی تھی کل — بھابھی گئی ہے آج یہ کیا دیکھ رہا ہوں
گوروں سے راج چھین کے کالے ہوئے نہال — کالوں میں گورا راج یہ کیا دیکھ رہا ہوں
نادان ہو تم ہم پہ ستم ڈھانے والے — اگنی تو ہواؤں سے بجھائی نہیں جاتی

پوچھا گیا ہے ہم سے کہو چور کون ہے تھانے کی طرف انگلی اٹھائی نہیں جاتی
کیوں اس طرح خاموش سدا رہتے ہو شاعر کیا بات ہے ایسی جو بتائی نہیں جاتی

جتیندر دھیر

اصل نام جتیندر کمار سری واستو، قلمی نام جتیندر دھیر ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۹۵۱ء کو اردو بازار، جون پور، یوپی میں ہوئی۔ والد کا اسمِ گرامی بچن جی سری واستو ہے۔ آپ بنیادی طور پر ہندی زبان کے شاعر و ادیب ہیں اس لئے ہندی ادب میں آپ کی خاص پہچان ہے۔ اردو میں بھی نظمیں اور غزلیں کہہ لیتے ہیں۔ ہندی کے معروف شاعر، ادیب اور نقاد ڈاکٹر سیّد محفوظ حسن رضوی پنڈرک سے کلام پر اصلاح لیتے ہیں۔ قابل استاد کی رہنمائی اور ذاتی کوششوں کی وجہ سے وہ ادبی دنیا میں اپنی پہچان بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ راشٹریہ وچار منچ پچھم بنگال کے چار درشٹی، نئی دہلی بیورو کے چیف، سبد شدھ سنسکرتی کے ایڈیٹر کی حیثیت سے زبان و ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ دھیر نے غزلیں، نظمیں، گیت، دوہے، لوک گیت، قطعات اور مضامین بھی قلم بند کئے ہیں۔ تنقیدی مضامین لکھنے میں زیادہ دلچسپی ہے۔ آپ کی کئی نظموں کا انگریزی، بنگلہ اور اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ خود ان کی شاعری پر ہندی کے کئی بڑے قلمکاروں نے مضامین لکھے۔ قومی سطح پر ہونے والے کوی سمیلن اور سیمیناروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔

جن اداروں نے انھیں اعزازات سے نوازا ان کی فہرست حسبِ ذیل ہے :

(1) Hindi Garnia Samman, Allahabad, 1994
(2) Manes Sangam Award, Kanpur,1997,
(3) Clust Academy Samman, Kolkata, 1995
(4) Swan Sahitya Parishad, Sitapur, 1996
(5) Geet Gandhar Award, Marina, M. P., 1997
(6) Acharya Samman Janini Academy, Panipat, Haryana, 1998
(7) Akhil Bharatya Hindi Bhasha Sammelan, Bhagalpur, 1999
(8) Kalanidhi Samman, Kolkata, 2002

دھیر کے ایک شعری مجموعہ Indra Dhanush Rangon Ka Such کو ۱۹۹۷ء میں مدھیہ

پردیش کے ایک ادارہ نے انعام سے نوازا۔ دھیر کی غزلوں میں جدید اسلوب اور نئی فکر نظر آتی ہے جو ان کی نظموں کا طرۂ امتیاز ہے۔ وہ اپنی نظموں اور غزلوں میں انسان اور سماج کے مختلف مسائل کے ساتھ بین الاقوامی مسائل کو بڑی عرق ریزی سے نظم کرتے ہیں جن میں تعمیری اور اصلاحی پہلو بھی مضمر ہوتے ہیں یعنی ان کی شاعری ملکی اور عالمی مسائل، جدید تقاضوں اور عصری کرب و انتشار کا آئینہ ہے۔

نمونۂ کلام :

دھرم، دین ایمان کی کرتے ہیں سب بات — کیا مذہب یہ بھلا بانٹے آدم ذات
افسر، نیتا، پولس، جج، ٹھگ، ڈاکو، بٹ مار — پنڈت، ملّا، جوتش ان کا اب دربار
شبد سے ارتھوں نے جب جب چھل کئے ہیں — سوچ کو اس نے ہزاروں بل دیئے ہیں
سخت پہرے میں سمندر ہے نظر بے چین ہے — زلزلوں کے دور میں دیکھتی دھرتی جناب
میں لکیریں ہاتھ کی پڑھتا رہا — حکمتوں سے وہ سکندر ہو گیا
دوسروں کے عیب تو ہیں خوب گنوائے جناب — کیا کبھی اپنا گریباں دیکھ بھی پائے جناب
چلتی ہوئی ہوائیں اچانک رکی ہیں کیوں — خاموش ہے فضا کوئی طوفان آئے گا

"دشائیں"

جب چلا تھا/ لگا تھا مجھے/ میں صحیح بڑھ رہا ہوں/ منزل کی طرف/ تم ملے
ساتھ ہو لئے/ اور ہم پہنچے/ اس موڑ تک/ تب لگا یہ راستہ نہیں/ ایک چوراہا ہے/ اور
ہماری دشائیں ہیں/ الگ الگ

صادق رائے بریلوی

صادق رائے بریلوی ابن عبدالرحمٰن کی پیدائش ضلع رائے بریلی کے نصیر آباد میں یکم جولائی ۱۹۳۵ء کو ہوئی۔ صادق صاحب اپنے چچا حاجی عبداللہ کے ہمراہ ۱۹۴۵ء میں مٹیا برج ہجرت کر گئے اور مٹیا برج میں طویل عرصہ گذارا۔ آپ نے حمد، نعت، منقبت، غزل اور نظمیں

کہیں گرچہ آپ روایتی شاعر تھے۔لیکن نئے مضامین کو بھی نظم کرتے تھے۔شاعری کی زبان سلیس اور عام فہم ہونے کے ساتھ اظہارِ بیان میں سنجیدگی اور متانت ہے۔ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اپنے آبائی وطن ہجرت کر گئے جہاں ۵ر مئی ۱۹۹۴ء میں وفات پائی اور اسی سرزمین پر سپردِ خاک ہوئے۔ڈاکٹر محمد زاہد اپنے والد صاحب کی شاعری پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں ''صادق رائے بریلوی پیدائشی شاعر تھے۔صادق صاحب کی شاعری کا اگر مطالعہ کریں تو جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے وہ ان کی صاف، سلیس، رواں، شستہ اور شگفتہ زبان ہے جس میں ذرا بھی ناہمواریت یا ابہام نہیں ہے۔ایسی زبان کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے اور اس کے لئے بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔انداز برجستہ اور نکھرا ہوا ہے۔شعر میں آمد کا احساس ملتا ہے' آورد کا نہیں۔ایسا لگتا ہے کہ شاعر پر تواتر کے ساتھ خیالات کی یلغار ہوتی ہے۔''

نمونۂ کلام :

موجِ طوفاں میں مجھے ملتا ہے لطفِ زندگی
میری کشتی آشنائے لذتِ ساحل نہیں

زمانہ آگیا دار و رسن تک کروٹیں لے کر
مگر غفلت کے ماروں کی تن آسانی نہیں جاتی

تم کو قسم خدا کی ہنسے جاؤ بس یوں ہی
دنیا بدل رہی ہے دلِ بے قرار کی

عمر گذری جستجو میں گھر کہیں ملتے نہیں
لڑکیاں بیٹھی ہیں کنواری بر کہیں ملتے نہیں

کر رہی ہے قوم کوشش مال و زر کے واسطے
ریس، سٹہ اور معمہ بازیاں زوروں پہ ہیں

تنخواہ سے آفس کی کب پیٹ بھرا اپنا
رشوت کی یہ برکت ہے اب کار میں چلتے ہیں

سوز سے میرے مکمل ہوا خورشید جمال
فیض زلفوں کو ملا دل کے سیہ خانے سے

سیّد علی محمد شہیدؔ

سیّد علی محمد شہید صاحب، سیّد صادق الرضوی مرحوم کے فرزند ہیں۔والد صاحب خود بھی خوش فکر شاعر تھے۔شہید صاحب کی سنہ ولادت یکم جنوری ۱۹۴۸ء ہے اور جائے پیدائش

ادبی خدمات اور حیثیت کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے کہاں تک کامیاب ہوں اس کا فیصلہ اہلِ قلم اور اہلِ نظر کریں گے۔ ان کے مفید مشوروں کا متمنی ہوں۔

ممنون ہوں اپنے احباب مشتاق جاوید، ایم. کے. اثر، کمتر عظیم آبادی، بدرالدین بدر، شوکت علی انصاری، محمد عارف انصاری، اصغر رضوی، خالد قمر، یونس پرویز، مولانا قاسم علوی، شکیل انصاری، اقبال قریشی، علیم الدین علیم، محمد اسلم انصاری اور دیگر مخلص احباب کا، جن کی حوصلہ افزائی نے میرے عزم اور حوصلہ کو ہر محاذ پر توانائی بخشی۔ شاید انھی مخلص کرم فرماؤں کی دعاؤں کا اثر ہے کہ زبان و ادب کی تھوڑی بہت خدمت کر سکا۔

میں ان مصنفین اور مدیران حضرات کا بھی شکر گذار ہوں جن کی کتابوں، رسالوں اور اخبارات سے استفادہ کیا۔

اپنے عزیز دوست اور معروف شاعر و ادیب مشتاق جاوید کا تہہ دل سے ممنون و مشکور ہوں کہ انھوں نے میری اس کتاب پر اوّل تا آخر نظر ثانی کا اہم فریضہ انجام دیا۔

مٹیا برج کی ادبی، علمی، سماجی، سیاسی اور مذہبی شخصیات کا مٹیا برج کے عوام و خواص سے متعارف کرانے کی بھی کوشش کی ہے جن کے کارناموں کی فہرست دیکھنے کے بعد اندازہ ہوگا کہ یہاں کیسی کیسی ہستیوں نے مختلف شعبۂ حیات میں خدمات انجام دیں۔

پیشِ نظر کتاب کا نام پہلے ''سخنورانِ مٹیا برج'' اور ''مٹیا برج کا اردو ادب'' اعلان کیا گیا تھا۔ اب ''دبستانِ مٹیا برج کی ادبی خدمات'' کے نام سے شائع کر رہا ہوں۔

موجودہ شعرائے کرام نے راقم الحروف کو جو اشعار دیئے، انھیں من و عن شائع کر رہا ہوں۔ واجد علی شاہ اختر کے عہد کے مٹیا برج اور آج کے مٹیا برج کے چند اہم مقامات کی تصویریں آخری صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

ڈاکٹر الف. انصاری

مٹیا برج۔آپ نے ادیب کامل کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ایک مقامی پرائمری اسکول میں درس وتدریس کے پیشہ سے وابستہ ہیں۔آپ ایک فعال اور متحرک انسان ہیں۔ بیک وقت کئی ادبی، علمی اور مذہبی تنظیموں سے منسلک ہیں۔انجمن فلاہانِ اہل بیت، انجمن اصغریہ مبارکہ، ابوطالب اکیڈمی، تنظیم محبانِ اہلِ بیت اور ابوطالب اکیڈمی کے زیرِ اہتمام ادبی علمی، مذہبی اور ثقافتی پروگرام کرتے رہتے ہیں۔ایک ماہنامہ ''تطہیر'' جاری کیا تھا۔آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ''ادارہ نقیبِ سحر'' نے انعام سے نوازا تھا۔بیشتر اصنافِ سخن پر قلم اٹھایا۔لیکن مذہبی شاعری میں خاصی دلچسپی ہے۔۲۰۰۴ء میں نوحہ اور سلام پر مشتمل ایک کتابچہ ''سیلِ اشک'' شائع ہوا۔''سیلِ اشک'' پر تبصرہ کرتے ہوئے مشتاق جاوید صاحب رقم طراز ہیں ''سیّد علی محمد شہید مذہبی اور ادبی شاعری کے ذریعہ اردو زبان وادب کی بیش بہا خدمات انجام دے رہے ہیں۔نعت، نوحہ، مرثیہ اور سلام کا مختصر مجموعہ ''سیلِ اشک'' ان کی مذہبی شاعری کی پہلی کتاب ہے جسے پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ شاعر کو ان اصنافِ سخن کا اچھا ادراک ہے۔کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہمیں لکھنؤ کی اعلیٰ اور کلاسیکی زبان وادب اور تہذیب وثقافت کی جھلکیاں ملتی ہیں۔شہدائے کربلا کے تعلق سے کردار نگاری اور منظر نگاری خوب ہے۔'' سیّد علی محمد شہید غزلیں بھی کہتے ہیں جن میں حالاتِ حاضرہ کی اچھی خاصی عکاسی ملتی ہے۔

نمونۂ کلام :

اس پیکرِ وفا ہی پہ اٹھتی ہیں انگلیاں — پروانہ وار جو کہ تیری انجمن میں ہے

لٹتی ہے جواں بہن کی عزت سرِ بازار — حسرت سے کھڑا بھائی جواں دیکھ رہا ہے

کیسے کسی غریب کی بیٹی کا گھر بسے — فرمائشات کے بنے خنجر نئے نئے

نظریں جھکا کے کس نے اٹھائے دعا کو ہاتھ — کھنچ کر ہلالِ عید اتر آیا بام تک

مصیبت جھیل جائے جو وہی انسان کامل ہے — قدم رکنے نہ پائیں راستہ گر پُر خطر آئے

اس طرح رسمِ وفا ہم نے ادا کی اے دوست — دل نے چاہا بھی مچلنا تو مچلنے نہ دیا

عنایت اللہ سیف

سلامت اللہ شاہ چشتی مرحوم کے فرزند عنایت اللہ سیف ۵ ستمبر ۱۹۴۰ء کو مٹیا برج میں پیدا ہوئے۔ طبیعت شروع سے ہی شعر و شاعری کی طرف مائل تھی۔ ذہنی نشو و نما گھریلو اور شاعرانہ ماحول میں ہوئی۔ آپ نے شاعری کا آغاز ۱۹۷۵ء سے کیا لیکن کسبِ فن کے لئے آپ نے بالترتیب جناب عبدالرؤف شمیم فیض آبادی، سیّد علی ظفر شمیم، مولانا رفیق احمد روح، کیف الاثر اور کمتر عظیم آبادی سے رجوع کیا۔ ان حضرات کی رہنمائی میں ان کا رنگِ سخن نکھرتا چلا گیا۔ مذہبی شاعری پر خاص توجہ ہے لیکن غزلیں بھی کہتے ہیں اور ترنم سے پڑھتے ہیں۔ آپ کی خوبصورت آواز سے کلام کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی دونوں کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ کی شاعری گرچہ لب و لہجہ اور زبان کے لحاظ سے روایتی اور صوفیانہ ہے لیکن فکر اور معنی کے اعتبار سے موجودہ مسائل کی طرف گامزن نظر آتی ہے۔

نمونۂ کلام :

طوفاں میں ساتھ چھوڑا ناخدا نے جب — کشتی کو خود ہی پار لگانا پڑا مجھے

شاید کہ نقاب الٹی ہے رخسار سے اس نے — میں چاند کے رخ پر جو دھواں دیکھ رہا ہوں

اے سیفؔ چلو تم بھی ساقی کے اشارے پر — اس راہِ محبت میں کعبہ ہے نہ بت خانہ

کیسی کیسی تہذیبیں ہیں دفن زمیں کے سینے میں — راکھ ہوا جاتا ہے ماضی راحت کی چنگاری میں

نہ وہ پہلی سی الفت ہے نہ راہ و رسم باقی ہے — کہاں سے آپڑی فرقہ پرستی تیری بستی میں

زندگی ان کی ہے کردار و عمل سے خالی — اور بنے بیٹھے ہیں گفتار و خطابت کے امام

کس شعر رو نے دیکھو لگائی چمن میں آگ — نسرین میں، نسترن میں، گلِ یاسمن میں آگ

سعید اعظمی

سعید اعظمی بی۔ اے۔ کی پیدائش ۲۲ جنوری ۱۹۵۵ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ بنیادی طور پر آپ افسانہ نگار اور انشائیہ نگار ہیں لیکن ادبی مضامین، آزاد اور نثری نظمیں بھی کہتے ہیں۔

آپ کے افسانے اور انشائیے روحِ ادب، جمناتٹ اور ماہنامہ ''انشاء'' و دیگر اخبارات میں شائع ہوئے۔ انھوں نے بنگلہ زبان کے کئی اچھے افسانے، مضامین اور آزاد نظموں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ہندوستان کے موجودہ صدر جمہوریہ عزت مآب عبدالکلام کی شخصیت پر بنگلہ زبان میں لکھے گئے مضمون کا اردو میں ترجمہ کلکتہ کے ہفتہ وار اخبار ''اجالا'' میں شائع ہوا۔ ایک انشائیہ ''اقتدار کے بھوکے ہم بھی ہیں'' آزاد ہند کے مشہور کالم ''نمک دان'' کی زینت بنا۔ سعید اعظمی کا قلم رواں دواں ہے۔ نثر کی زبان سلیس، ترجمے کی زبان آسان اور انشائیہ کا انداز تیکھا ہے جن میں آپ سماج کے ٹھیکے داروں اور سیاسی رہنماؤں پر نہایت لطیف انداز میں طنز کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ آپ زندگی میں رونما ہونے والے تمام چھوٹے بڑے سانحات اور واقعات کا اثر قبول کرتے ہیں اور اپنی نثری و شعری تخلیقات میں بہتر طور سے پیش کرتے ہیں۔ چوں کہ آپ حساس شاعر و ادیب ہیں، اس لئے انسانی زندگی کی محرومیاں اور سلگتے ہوئے مسائل انھیں ہر لمحہ بے چین رکھتے ہیں۔

الیاس قریشی

جدید افسانہ نگار الیاس قریشی ابن محمد ادریس کی پیدائش ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو منجھا بازار، ہوڑہ میں ہوئی۔ لیکن ہوش سنبھالتے ہی مٹیا برج چلے آئے جہاں آپ کا برسوں قیام رہا۔ افسانہ لکھنے سے پہلے آپ نے مشاہیر افسانہ نگاروں کے افسانوں کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس طرح ان کے اندر افسانہ نگاری کا شوق پیدا ہوا اور افسانے لکھنے لگے جس کے نتیجے میں ان کے قلم سے کئی معیاری افسانوں نے جنم لیا۔ آزادی کے بعد الیاس جیسے جدید اور علامتی افسانہ نگار مٹیا برج میں کم پیدا ہوئے۔ انھوں نے بہت کم عمر میں کچھ ایسے افسانے تحریر کئے جنھیں مغربی بنگال کے چند اچھے اور نمائندہ افسانوں میں شامل کیا جاسکتا ہے مثلاً ڈیورنڈ لائن، سفید سمندر، تیسری منزل کا حادثہ، دو عورتوں کے بیچ کا مکالمہ، لامتناہی نا، دو کے درمیان، ٹکڑوں میں بٹا آدمی، فرنکسٹائن اور میں کالیہ وغیرہ۔ ان افسانوں میں عصری کرب، انتشاری کیفیات،

مایوسی، محرومی اور تنہائی کا احساس شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ الیاس قریشی کے افسانوں کا عنوان ہی جدت پسندی کی مثال ہے۔ افسوس یہ ہونہار اور ذہین افسانہ نگار فکرِ معاش میں الجھ کر ادب کی دنیا سے گم ہو گیا۔ افسانہ ''ڈیورنڈ لائن'' پر معروف شاعر اور نثر نگار ایم. کے. اثر اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں :

''الیاس قریشی کے ابتدائی دور کے چند اچھے افسانوں میں ایک ''ڈیورنڈ لائن'' بھی ہے جس میں اس نے اپنی علمی بصیرت اور جدت پسندی سے عصری کرب کو جس انداز میں پیش کیا ہے اس سے منشی پریم چند کی کامیاب تخلیق ''کفن'' کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ افسانہ کی خاصیت جو فن کار اور قاری کے درمیان رشتہ ہموار کرنے کا کام انجام دیتی ہے، اس کا عکس ابتدا تا آخر قائم رہتا ہے جسے الیاس قریشی کے اسلوبِ بیان، موضوع، مواد اور اس کے زاویۂ نظر کی زندہ دلیل و مثال کہی جا سکتی ہے۔''

اصغر ندیم نظامی

نام محمد اصغر علی انصاری، قلمی نام اصغر ندیم نظامی ابن محمد نظام الدین کی پیدائش ۲ر جنوری ۱۹۶۲ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ پیشہ سے مدرس ہیں۔ تعلیم ایم. اے.، بی. ایڈ.۔ ابتداء میں مشہور شاعر جناب مشتاق جاوید اور ہارون شارب سے اصلاح لیتے رہے پھر جاوید کے مشورہ پر مستقل طور سے حضرتِ قیصر شمیم سے رجوع ہوئے۔ تخلیقات موقر اخبارات و جرائد میں چھپتی رہتی ہیں۔ ادبی ادارہ اردو پروگریسو سوسائٹی اور ادبی سنگم کے سکریٹری ہیں۔ رائٹرز ایسوسی ایشن، ہوڑہ کے ممبر، بنگالی بازار ہائی اسکول کی مجلسِ انتظامیہ کے سابق رکن، آل انڈیا ریڈیو کلکتہ کے اردو پروگرام میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ آپ کی شاعری میں محرومی، گھٹن اور مایوسی جیسے موضوعات ملتے ہیں۔ وہ سماج کے غلط عناصر پر اپنے اشعار میں بھرپور وار کرتے رہتے ہیں۔ لہجہ میں سادگی کے ساتھ نیا پن بھی ہے۔ ندیم منقبت، قصائد اور سلام پر بھی طبع آزمائی کرتے ہیں۔

نمونۂ کلام :

مرتے نہیں دنیا میں شہیدانِ محبت
زندہ تمھیں رہنا ہے تو مر کیوں نہیں جاتے

ہم حسینی ہیں صداقت کو بچانے کے لئے
دے کے سر جھوٹ کا دربار بدل دیتے ہیں

جھوٹ کے شہر میں سچ بولنا مشکل ہے مگر
اپنے اسلاف کی تاریخ کو زندہ رکھئے

دور تک خوں رنگ منظر ہے میاں
جانے یہ کیسا سمندر ہے میاں

کس نے مارا ہے دریا میں پتھر ابھی
سارا پانی لہو کا ہے محور ابھی

نہ چھوڑی اب بھی پرندے نے اپنی خودداری
کٹا ہے پنکھ مگر پھر بھی وہ اڑان میں ہے

زندگی کے سارے پیچ وخم میں اے اصغر ندیم
دست گیری میری کرتی ہے مری ماں کی دعا

زاہد نظر

جناب محمد عابد حسین صاحب کے فرزند زاہد نظر کی پیدائش ۱۵ر جنوری ۱۹۷۳ء کو میر غیاث چک نالندہ بہار میں ہوئی۔ زاہد صاحب اپنی تخلیقی سرگرمیوں کے پہلو بہ پہلو حصولِ تعلیم کا سلسلہ برقرار رکھا۔ کلکتہ یونیورسٹی سے اردو اور فارسی میں ڈبل ایم.اے. کی سند حاصل کی۔ جناب کیف الاثر صاحب کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آپ نہ صرف غزل بلکہ قصیدہ کے بھی اچھے شاعر ہیں۔ لیکن رجحان غزل کی طرف زیادہ ہے۔ سماج کی ناخوشگوار فضا میں ان کی شاعری سانس لیتی نظر آتی ہے۔ اس لئے زندگی کی تلخیاں اور سچائیاں ان کے اشعار میں ملتی ہیں۔ زاہد نظر کے ادبی سفر کی عمر گرچہ کم ہے لیکن ان کے اندر نظم ونثر کی اچھی صلاحیت ہے۔ اس کا ثبوت ان کے مضامین، مقالات اور کلام ہیں۔ ۱۹۹۸ء میں مغربی بنگال اردو اکیڈمی نے مضمون نگاری میں ابوالکلام آزاد ایوارڈ پیش کیا۔ آپ مٹیا برج کے چند سنجیدہ اور خوش فکر شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ شاعری کے رموز ونکات اور بحر واوزان کی اچھی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ بنیادی طور پر قصیدہ اور غزل کے شاعر ہیں۔ اس لئے ان اصناف میں ان کے جذبات و احساسات کھل کر سامنے آئے ہیں۔ زبان کی روانی اور سادگی ان کی غزل کا خاصہ ہے۔

نمونۂ کلام :

قصیدہ شاہ کا پڑھتے نہیں ہیں مفلسی میں ہم
ہمیں کیوں یہ زمانہ شاملِ دربار کرتا ہے

آئینہ ہوں ٹوٹ کے بھی میں چہرہ دکھلا جاؤں گا
کھا کر پتھر لاکھ ہوا ہو ماشہ ماشہ رتی رتی

ہم سے الجھ کے کتنے خسارے میں ہے ہوا
قیدی کی طرح ایک غبارے میں ہے ہوا

آئینے سے ڈرتے ڈرتے سائے سے ڈرنے لگا
ہوگیا آسیب زندہ آدمی مرنے لگا

ہر ایک رسم ہے عریاں رواج بھی ننگا
بشر ازل سے تھا ننگا ہے آج بھی ننگا

اس خیر و شر کی جنگ کو کچھ بھی کہو مگر
دھوتا تو آدمی ہی رہا آدمی سے ہاتھ

بشر بشر ہے نہ بدلا کبھی نہ بدلے گا
ہزاروں بار ہمارا سماج بدلا ہے

ہر اک نفس ہے برہنہ خیال کی تصویر
ہر ایک جسم ہے عریاں سماج بھی ننگا

شارق رحمانی

آپ کا نام ریاض الدین حیدر انصاری، قلمی نام شارق رحمانی ہے۔ ۲۸ر جنوری ۱۹۵۸ء کو برجونالہ مٹیا برج میں پیدا ہوئے۔ والد محترم کا اسم گرامی عبدالرحمٰن انصاری ہے۔ آپ نے کلکتہ یونیورسٹی سے ایم.اے. اور جرنلزم کا ڈپلوما حاصل کیا۔ حامی گورکھپوری اور مکتر عظیم آبادی سے مشورۂ سخن کرتے رہے۔ ان کی سرپرستی میں نعت، قطعات اور غزلیں کہتے رہے۔ لیکن خاص میدان آزاد اور نثری نظم ہے۔ ساتھ ہی ایک اچھے نثر نگار بھی ہیں۔ شارق رحمانی نے کئی اچھے ادبی مضامین بھی لکھے جن میں ''جوش اور فراق کا نظریاتی حس''، ماہنامہ آج کل، دہلی، حضرت امیر خسرو، شخصیت و عظمت''، آج کل، دہلی ''مغربی بنگال اور وحشت'' روحِ ادب، کلکتہ ''بلندیٔ افکار اور مرزا غالبؔ''، اخبارِ مشرق، کلکتہ ''خدائے سخن میر اور ان کی شاعری''، ہفتہ وار اجالا، کلکتہ اور ''جمال احمد محشر کی جمالیاتی شاعری'' قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ ''محیط''، بنگلور، ماہنامہ ''شاعر، توازن اور ''اساطیر'' میں بھی چھپ چکے ہیں۔ چوں کہ شارق رحمانی کا تعلق جدید نسل سے ہے اس لئے ان کے شعری افکار میں تازہ کاری کے

ساتھ عصری کرب اور جدید تقاضوں کی گونج صاف طور پر سنی جاتی ہے۔ نئی نسل میں بحیثیت نثر نگار اور نظم گو ان کی شناخت ہے۔ آپ نے غزلوں کی بہ نسبت آزاد نظم اور نثری نظمیں زیادہ کہیں۔ ان کی نظموں میں صحت مندی، توانائی اور تاثر قائم ہے۔ ان کی شاعری کا مطالعہ کرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک حساس اور بیدار مغز شاعر ہیں۔

نمونۂ کلام :

سب ہیں قابض اور میرے حصے میں — مرنے والے کا قرض آیا ہے
نوالہ چھیننے والے بہت ہیں — ہم ایسے دور میں زندہ ہیں بھائی
آگ ہوسکتی ہے گلزارِ خلیل — آدمی کو میسر نہیں خوشبو ہونا
ہم ایسے شخص کے ہاتھوں کا بوسہ لیتے ہیں شارق — بڑھاپے میں جو اپنا بوجھ خود سر پر اٹھاتے ہیں
بیڑیاں پہنائیں پھر بھی بال و پر کاٹے گئے — اور اس کے ساتھ رودادِ قفس پوری ہوئی
کیسی دستک تھی کہ سن کر چیخ اٹھی تھی حیات — آنسوؤں میں بھیگ جانے کی ہوس پوری ہوئی

نظم : ''روشنی کی موت''

پھر وحشی آنکھوں والے/ فقیہ شہر نے/ بدمست اور غیر مہذب/ نسل پر/ قہقہہ
لگاتے ہوئے/ چپکے سے اپنے سیاہ تن/ کالبادہ/ روشنی کے جسم پر/ ڈال دیا.....!/ روشنی
اندھی ہوگئی/ اور معصوم لوگ/ وحشیوں کی طرح/ اپنے ہی خون میں/ نہانے لگے!!

مشتاق افضل

مشتاق افضل ابن حاجی عبدالکریم یکم جنوری ۱۹۶۹ء کو موضع بسیت ضلع نالندہ، بہار میں پیدا ہوئے۔ معروف و معتبر شاعر و مدیر شہود عالم آفاقی کے آگے زانوے ادب تہہ کیا۔ ان کی سرپرستی میں شاعری کے رموز و نکات سیکھے۔ ان کی شاعری میں بہت حد تک استاد کا رنگ اور اندازِ بیان غالب ہے۔ وہ اچھا شعر کہتے ہیں۔ نئے انداز، نئی فکر اور تاثراتی اسلوب میں اپنے جذبات و افکار کو اشعار کے پیکر میں ڈھالتے ہیں۔ یوں تو آپ نعت، ماہیا اور نظم

کہہ لیتے ہیں لیکن غزل میں زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں اور یہی ان کی پسندیدہ صنف بھی ہے۔ کلام ملک کے ادبی جرائد میں شائع ہوتے ہیں۔ دوماہی ''انشاء'' کلکتہ نے کلکتہ کا عصری ادب نمبر میں مشتاق افضل کا کلام بھی شامل کیا ہے۔ ایک حساس شاعر کی حیثیت سے زندگی کے حقائق ملک کے بدلتے ہوئے حالات، سماج اور معاشرے کے رویے سے متاثر ہوکر شعر کہتے ہیں۔ فکر میں جدت اور لب ولہجہ میں تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ آپ نے مگدھ یونیورسٹی سے گریجویشن کیا ہے۔ اسپورٹس اور شاعری کی کتابوں کے مطالعہ کا شوق ہے۔ ''بزمِ شہود''، ''بزمِ ناظم'' اور ''بزمِ اردو ادب'' نالندہ کے اہم رکن ہیں۔ Sony Television نے آہٹ نامی سیریل کے لئے ایک Episode لکھنے کا مقابلہ کرایا۔ اس مقابلے میں افضل صاحب بھی شریک ہوئے اور انعام حاصل کیا۔

نمونۂ کلام :

ہزاروں خواہشوں کی شاہزادی ٹوٹ جاتی ہے
غریبی ایسا پتھر ہے کہ چھاتی ٹوٹ جاتی ہے

سنتے ہیں وہ آج میرا قد ناپے گا
آج بہت شرمندہ اس کو ہونا ہے

تہذیب اس کے گاؤں کی نیلام ہوگئی
مکھیا کے سر پہ تاج ہے مگر بے مثال ہے

گلوں کے جسم پہ شمشیر دیکھنے کے لئے
چلو گے وادیٔ کشمیر دیکھنے کے لئے

بہت سے سانپ تھے اس کے بدن سے لپٹے ہوئے
مگر عجیب شجر تھا مہکتا رہتا تھا

مری پیشانی پر پستول رکھ کر
وہ پرکھوں کی نشانی مانگتا ہے

ابھی سے کھینچ لیا تم نے دوستی کا ہاتھ
ابھی تو شرحِ رفاقت میں رنگ بھرنا ہے

افضل اسی نے بخشا شعورِ ہنر مجھے
مشہور جو زمانے میں خبط الحواس تھا

مسئلہ طے ہوا ہے باتوں سے
کام تلوار سے نہیں نکلا

احمد سلطان قریشی

نام محمد سلطان احمد ادبی نام احمد سلطان قریشی ولدیت عبدالواجد مرحوم، تاریخ

پیدائش ۲۸ر دسمبر ۱۹۵۸ء بمقام موضع بھدرسہ ضلع فیض آباد، یوپی۔ تعلیم بی۔اے۔ اپنے کلام پر کہنہ مشق شاعر جناب کمتر عظیم آبادی سے اصلاح لیتے ہیں۔ آپ نے غزلیں، نظمیں، قطعات، نعت اور قصائد بھی کہے لیکن بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں۔ اس لئے غزلوں میں کوئی خاص رنگ نمایاں نہیں ہوسکا۔ جب کہ نظموں میں زیادہ کامیاب ہیں۔ آپ محفل سماع، خانقاہِ بزرگانِ دین اور شاعروں کی صحبت میں وقت گزارنا پسند کرتے ہیں۔ کم سخن اور تنہائی پسند ہیں۔ مذہبی شاعری میں خیالات کی تازگی، پاکیزگی اور عقیدت کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ نعت شریف اور نعتیہ قصائد سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔ اپنی عقیدت کا اظہار شعروں کی زبان میں شائستگی اور سلیقہ سے کرتے ہیں۔ آپ کے کلام میں خیالات ذاتی ہوتے ہوئے بھی عام لگتے ہیں جس میں زندگی کے مسائل کو بھی پیش کرتے ہیں۔ شاعری کی زبان سلیس اور پیرایۂ بیان دلکش ہے۔

نمونۂ کلام :

مجھ سے کتنے چراغ روشن ہیں — اور اندھیروں کا دیوتا ہوں میں

نگارشات کے پیکر کا نام سلطاں ہے — زبان نہ رکھ کے یہ چہرہ تو بولتا ہی رہا

ادنیٰ تھا اپنی ذات کے محور میں تھا وہ گم — قد آوروں میں ایڑی اٹھا کر کھڑا رہا!

ایک فن کار کو ترتیب میں لانے کے لیے — میز پر بکھری ہوئی ہوں گی کتابیں شاید

شجر لگا کے اسے ممنوعہ قرار دیا — بہشت دے کے خطاؤں کا اختیار دیا

نظم ''حوصلہ''

میں شکستہ پا ہوں تو کیا ہوا/ مرے حوصلے بلند ہیں/ مری ٹھوکروں میں ہے یہ جہاں/ مری مٹھیوں میں ہے آسماں/ میں ہوں لامکاں/ میں ہوں بے اماں/ نہیں سر پہ کوئی بھی سائباں/ مرے بال و پر کو رقیب نے/ دیا قینچیوں سے کتر تو کیا؟/ ہے مرا سفر تو فضاؤں پر/ ہے مرا اثر تو گھٹاؤں پر/ ہے مرا گہر تو خلاؤں پر/ میں ادیب ہوں/ میں ادب برائے زندگی/ میں ادب برائے بندگی/ میں ادب برائے آگہی/ میں ادیب ہوں

ڈاکٹر محمد شمیم عالم

ڈاکٹر محمد شمیم عالم ابن محمد قاسم کی ولادت ۱۵ر نومبر ۱۹۴۸ء کو بہار شریف میں ہوئی۔ مدرسہ محمودیہ پرائمری اسکول کے مدرسِ اعلیٰ ہیں۔ آپ کو افسانہ سے خاص شغف رہا ہے۔ آپ کے تحقیقی مقالہ ''مغربی بنگال میں اردو افسانہ نگاری'' ۱۹۵۰ء تا ۱۹۸۵ء پر کلکتہ یونیورسٹی نے ڈاکٹر آف فلاسفی کی سند تفویض کی۔ ماضی میں آپ کے کئی افسانے مقامی اخبارات میں شائع ہوئے جن میں مجبورِ محبت، گم گشتۂ ماضی اور یوں بھی ہوتا ہے قابلِ ذکر ہیں۔ کئی ادبی، سماجی اور تعلیمی مقالات بھی قلمبند کیے۔ مقالات ''مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کا راز، دنیا کے مشہور فلاسفر، ڈاکٹر جاوید نہال فن اور شخصیت'' ہفتہ وار اجالا اور اخبارِ مشرق کی زینت بنے۔ اگر آپ کا سلسلہ جاری رہتا تو ایک اچھے افسانہ نگار بن کر ابھرتے۔

شاہد حسین شاہدؔ

مشہور سماجی و سیاسی شخصیت ذاکر حسین مرحوم کے صاحب زادے شاہد حسین شاہدؔ کی پیدائش ۱۹۴۸ء کو ہوڑہ پیل خانہ میں ہوئی۔ شاہد ایک متحرک سماجی شخصیتوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ معروف ترقی پسند شاعر مظہر انصاری صاحب سے کلام پر اصلاح لیا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے چند برسوں بعد ہارون شاربؔ سے رجوع ہوئے۔ منقبت، نعت، قصیدہ اور نظم کے ساتھ غزلوں پر بھی خاص توجہ ہے۔ سماجی خدمت اور علمی جذبے کے تحت ہی آپ کی شمولیت مختلف تنظیموں میں رہی ہے۔ غالب سوسائٹی، غالب پرائمری اسکول، بنگالی بازار ہائی اسکول کی مجلس انتظامیہ کے سابق ممبر اور گارڈن ریچ اردو فیڈریشن کے سکریٹری رہے۔ تعلیمی درسگاہوں کے وسیلے سے آپ کی علمی خدمات قابلِ ستائش ہیں۔ شاہد کی شاعری میں قوم اور معاشرے کے دکھ درد کے ساتھ سماجی اصلاح کا جذبہ ملتا ہے۔ وہ مفاد پرستی اور ظلم و استبداد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔ ملک کے فرقہ وارانہ فسادات نے جب جب عام انسانوں کو جھنجھوڑا تو حساس شاعر شاہد بھی ان حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ

مٹیا برج کی تاریخی حیثیت

۱۷۲۲ء میں نواب سعادت علی خاں نے اودھ کی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ مغلیہ سلطنت کے ایک صوبہ دار کی حیثیت سے انھیں اودھ کا ناظم مقرر کیا گیا۔ آپ کی وفات کے بعد بالترتیب نواب صفدر جنگ شجاع الدولہ، آصف الدولہ، وزیر علی خاں، غازی الدین حیدر، محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ کے بعد نواب واجد علی شاہ اختر فرمانروا کی حیثیت سے ۱۳ر فروری ۱۸۴۷ء کو تخت نشیں ہوئے۔ ۳۰ر جولائی ۱۸۵۶ء کو برطانوی سامراج نے واجد علی شاہ کو تخت سے معزول کر دیا۔ بادشاہ کی معزولی کے بعد ان کی بہادر ملکہ بیگم حضرت محل نے سلطنت اودھ کی قیادت سنبھالی اور اپنے عزیز لختِ جگر شہزادہ برجیس قدر کو اودھ کا حکمراں نامزد کیا۔ بلاتفریق مذہب و ملّت، ہندوؤں اور مسلمانوں نے مشترکہ طور سے شہزادہ برجیس قدر کو اودھ کا تاجدار تسلیم کر لیا۔ برجیس قدر ۵ر جولائی ۱۸۵۷ء کو تخت پر بیٹھے اور ۱۶ر مارچ ۱۸۵۸ء تک حکومت کی۔ شہزادہ برجیس قدر کی تخت نشینی کے بعد ہی اودھ کی سلطنت کے خاتمہ کے لئے انگریزوں نے منصوبہ بند سازش کے تحت ایک تقریب میں برجیس قدر کو مدعو کیا اور ان کے کھانے میں زہر دے کر اودھ کی سلطنت کے آخری چشم و چراغ کو ہمیشہ کے لئے سلا دیا۔ برجیس قدر کی موت سے اودھ کی ایک سو چھتیس سالہ زرّیں دورِ حکومت کا سورج غروب ہو گیا۔ اودھ کی شاہی حکومت ۱۷۲۲ء سے ۱۸۵۸ء تک رہی۔

واجد علی شاہ اختر کی تخت نشینی کے قبل ہی سے ملک کے سیاسی حالات ناگفتہ بہ تھے۔

سکے اور ظلم و جبر کے خلاف اپنی شاعری کے ذریعہ آواز بلند کی۔ رفتارِ زمانہ کے ساتھ ان کی شاعری میں نئے نئے خیالات اور عصری تقاضوں کے اثرات ملنے لگے ہیں۔ آپ چھوٹی بحروں میں ہنرمندی سے بڑی بات کہہ جاتے ہیں۔ آپ کا یہ شعر ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے :

شاہد حق پر رہنے والا
اک دن گھر سے بے گھر ہوگا

نمونۂ کلام :

قدم بڑھانے سے پہلے بہت ضروری ہے — یہ سوچ لیں کہ مخالف کہیں ہوا تو نہیں
لہو لہان پرندہ یہ دے رہا تھا صدا — وفا کے شیشے پہ پتھر کوئی گرا تو نہیں
پانی کے بدلے لوگ پئیں گے لہو کے گھونٹ — ایسا بھی انقلاب زمانے میں آئے گا
چند چاندی کے چمکتے ہوئے سکوں کے عوض — خوب بکنے لگا بازار میں ایمانِ بشر
مخمور تھیں جو آنکھیں مغموم ہوگئیں — دیکھا جو کمسنی میں انجامِ وحشیانہ
وقت بڑا فتنہ گر ہوگا — خون میں ڈوبا منظر ہوگا
سہو گے ظلم بھلا کب تلک نہ بولوگے — یہ وقت منہ میں تمہارے زبان دے دے گا
اپنی منزل پر یقیناً پہنچے گا شاہد جناب — خواب کی دنیا میں وہ سویا نہیں بیدار ہے

مرغوب عالم مرغوبؔ

مرغوب صاحب جناب مقبول احمد کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی پیدائش ۳۰ نومبر ۱۹۴۸ء کو اورنگ آباد، بہار میں ہوئی۔ مدرسہ اسلامیہ، اورنگ آباد، بہار سے فرقانیہ میں اول آئے۔ آپ صرف شاعر ہی نہیں بلکہ افسانہ نگار بھی ہیں۔ آپ کے مقبول افسانوں میں قربتوں کی دوری، ''خیالِ شکستہ'' کیا ملا آخر جلا کر آشیانہ اور نوشتۂ تقدیر'' جیسے افسانے کچھ جرائد میں شائع ہوئے۔ اصنافِ سخن میں غزل، گیت، نعت، منقبت اور قصائد کہتے ہیں۔ شروع میں جناب کیف الاثر سے اصلاح لیتے رہے۔ گذشتہ کئی برسوں سے خوش فکر نوجوان

شاعر خالد قمر سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ آپ کی غزلوں اور قصیدوں میں زبان کی سلاست، برجستگی اور معنی آفرینی پائی جاتی ہے۔'' آپ کے زیادہ تر قصائد میں سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ اور آلِ رسولؐ سے بے پناہ عقیدت و محبت کا اظہار ہے۔ آپ کی شاعری قدیم و جدید خیالات کی ترجمان ہے۔

نمونۂ کلام :

مجھ کو تنہا دیکھ کر موسم نے لی انگڑائیاں
جب چلی ٹھنڈی ہوا دل میرا دیوانہ ہوا

مہر و خلوص و الفت یا تحفۂ محبت
سب کچھ مجھے ہی دو گے اک بار تو کہو تم

سب جانتے ہیں حرص و ہوس ہے خراب شئے
ہر شخص مبتلا ہے مگر اس عذاب میں

تم نے ٹھہرے ہوئے پانی میں جو پتھر پھینکا
ان گنت دائرے پانی پہ تھرکتے دیکھا

دور ساحل ناؤ ٹوٹی موج ہے طوفان ہے
دیکھو تو ہم ڈوب جائیں گے قریب آؤ ذرا

میں شب و روز بھٹکتا رہا تاریکی میں
میری تاریکیٔ تقدیر میں تنویر ہو تم

سبحان فراز

جناب محمد حسین صاحب کے لائق فرزند سبحان فراز یکم دسمبر ۱۹۵۹ء کو مٹیا برج میں پیدا ہوئے۔ جناب کیف الاثر کے آگے زانوے ادب تہہ کیا۔ سبحان فراز مٹیا برج کے چند اچھے نوجوان شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری آج کی فضا میں پوری طرح سانس لیتی نظر آتی ہے۔ ان کے پاس جو زبان اور اندازِ بیان ہے وہ ان کے ہم عصر شعرا کے حصے میں کم آیا ہے۔ فراز کی آواز بالخصوص غزلوں میں زندہ اور توانا نظر آتی ہے جس میں شائستگی کے ساتھ فکر میں ندرت اور جدت ہے۔ غزلوں کے بیشتر اشعار عصری مسائل سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ بہر کیف! نوجوان شعراء کی صف میں سبحان فراز خوش بیان اور خوش فکر شاعر کی حیثیت سے منظرِ عام پر آئے ہیں۔ اگر مشق جاری رکھا تو ان سے اردو ادب کے سرمائے میں اضافہ کی توقع کی جاسکتی ہے۔ سبحان فراز نعتیہ قصائد بھی لکھتے ہیں جنھیں مٹیا برج کی محفلوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

نمونۂ کلام :

وہ قطرہ اپنی طاقت کا لگا سکتا ہے اندازہ
ندی نالے سے ہو کر جو سمندر میں اترتا ہے

بدنما کوہ کے جسموں کو نہ دیکھو لوگو
کوہ کے جسم میں ہیرے بھی چھپے ہوتے ہیں

وقت کی آہنی زنجیر سے باندھو نہ مجھے
مجھ کو جانا ہے ابھی وہم و گماں سے آگے

ہر ایک علم و ہنر فکر و فن کا ہو پیکر
کوئی مذاق نہیں میرِ کارواں ہونا

گواہی دیتے ہیں جھلسے ہوئے یہ بال و پر گویا
ہماری ذات سے ہیں منسلک شمس و قمر گویا

ڈھونڈا کرتے ہیں سمندر کی تہوں میں جو گہر
ہم فرازؔ ایسوں کی صحبت میں رہا کرتے ہیں

جہاں ٹھہر کے بھی محفوظ خود کو رکھ نہ سکو
فرازؔ مفت ملے بھی تو وہ مقام نہ لو

تم اپنے نام کی قندیل خود کرو روشن
ملا کے نام کسی کا تم اپنا نام نہ لو

شاداب حسین شاداب

شادابؔ ابن سخاوت حسین ۲۳ر نومبر ۱۹۶۴ء کو مٹیا برج میں پیدا ہوئے۔ آپ گریجویٹ ہیں۔ شاعری کا شوق دورانِ تعلیم پروان چڑھا۔ ۱۹۷۲ء سے شاعری کر رہے ہیں۔ ممتاز شاعر سیّد علی ظفر شمیم کے آگے زانوے ادب تہہ کیا۔ ان کی سرپرستی میں ان کے شاعرانہ جوہر کھلتے گئے۔ آپ غزل، نظم، مسدس، مخمس، قطعہ، رباعی، نوحہ، ماتم، سلام، نعت، مرثیہ اور قصیدہ جیسی اہم اصنافِ سخن پر اپنے پاکیزہ جذبات کا اظہار کر رہے ہیں۔ آپ کے کلام میں جو خوبیاں پائی جاتی ہیں وہ ان کی موزونیٔ طبع، مطالعہ، مشق اور شاعرانہ مزاج کا نتیجہ ہے۔ شاداب کی شاعری کا مزاج روایتی ہے لیکن وہ مختلف موضوعات کو حسن و خوبی کے ساتھ نظم کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ان کی غزلوں کا اسلوب قدیم ہونے کے باوجود عصری مسائل کی آئینہ دار ہے۔

نمونۂ کلام :

کرم کرتا ہے تو کس واسطے اے مہرباں اکثر
تری ہر بات پہ ہوتا ہے سازش کا گماں اکثر

یہ کس طرح کے ان کے اطوار ہو گئے ہیں
خنجر کہیں کہیں پر تلوار ہو گئے ہیں

ہزاروں مشکلیں اک جھوٹ سے ہیں
سفر ہو گھر ہو سچ بولو ہمیشہ

رہتا ہے دور دور بظاہر قریب سے مطلب نکالتا ہے زمانہ غریب سے
جن کو عزیز اپنا سمجھتے ہو وقت پر شاداب کچھ وہ لوگ لگیں گے عجیب سے
نزاکت وقت کی سمجھو ہمیشہ نظر حالات پہ رکھو ہمیشہ

معین الدین محور

آپ کا نام معین الدین اور تخلص محور ہے۔ محمد مصطفیٰ صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ ولادت رشید پور اکبر نگر، بھاگلپور، بہار میں ۱۵/ جولائی ۱۹۶۸ء کو ہوئی۔ مستقل قیام مٹیا برج میں ہے۔ شروع میں محور نے مشتاق جاوید صاحب کو کچھ شعری تخلیقات دکھائیں۔ غزل کے علاوہ مذہبی شاعری میں حضور ﷺ اور اہلبیت سے بے پناہ عقیدت کا اظہار دلکش انداز میں کرتے ہیں۔ آواز خوبصورت اور دبنگ ہے۔ اس لئے کلام ترنم سے پڑھتے ہیں۔ سامعین کافی محظوظ ہوتے ہیں۔ زندگی کے چھوٹے بڑے واقعات کا اثر قبول کرتے ہوئے شاعری میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ سچا فن کار وہی ہے جو کچھ دیکھے یا محسوس کرے تو اس کا اظہار تخلیق کے توسط سے قاری تک پہنچادے اور محور صاحب ایسی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ان کا فن تلخ سچائیوں کا نقیب ہے۔ اس لئے وہ سماجی برائیوں اور ناانصافیوں کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ مٹیا برج کی نئی نسل کے شعراء میں خاص مقام رکھتے ہیں۔

نمونۂ کلام :

آپ کو قطرۂ شبنم سے بھی ڈر لگتا ہے ہم جنوں والے شراروں سے لپٹ جاتے ہیں
مری عمر تو کٹی ہے ببول کے نیچے کہاں سے لاکے تجھے دوں گلاب کی خوشبو
عظمت ہمارے ملک کے پرچم کی گھٹ گئی جس روز سے ترنگا چبانے لگے ہیں لوگ
دشمنوں نے پھینکی ہے جب سے گھر پہ چنگاری رات کو مرے بچے جگنوؤں سے ڈرتے ہیں
آخری سانس کسی وقت بھی لے سکتی ہے زندگی میری ہے اردو کے رسالوں کی طرح
گفتگو اچھی نہ پہناوا بھلا لگتا ہے اب تو آبادی سے ویرانہ بھلا لگتا ہے
کھیتوں کو کس طرح سے ملے سبز پیرہن روٹھا ہوا زمین سے بادل دکھائی دے

امیرِ وقت کے ہونٹوں پہ ہاؤ ہو دیکھو مری زباں پہ نافذ ہے کرفیو دیکھو

غلام ربانی نازاںؔ

غلام ربانی نازاں کی پیدائش ۲؍اپریل ۱۹۴۹ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ پیشہ درس و تدریس ہے۔ اردو، فارسی اور انگریزی مضامین میں ایم.اے. ہیں۔ آپ کی نظمیں، غزلیں اور نثری تخلیقات اسکول میگزین اور مقامی اخبارات میں کبھی کبھی چھپتی رہتی ہیں۔ سہل متمنع میں اچھے اشعار نکال لیتے ہیں جن میں آپ کا رنگ، انداز اور اسلوب ہم عصر شعراء سے منفرد نظر آتا ہے۔ آپ کے اشعار میں مایوسی، گھٹن، افسردگی اور کرب کی جھلکیاں نمایاں ہیں۔

نمونۂ کلام :

خون لگ ہی چکا جب ہونٹوں کو ایک چھوٹا شکار اور سہی
جی میں آتا ہے پھر چلے جائیں لے کے اپنا وجود غاروں میں
کوئی چپکے سے پھر اتر آیا بن کے مضراب دل کے تاروں میں
غور سے سن رہا ہے سب باتیں گھر کا دروازہ کان جیسا ہے
بیچ کی یہ دیوار اچھی ہے دونوں جانب ہے کان رہنے دو

سیّد انجم رومان

آپ مٹیا برج کے مشہور افسانہ نگار جناب محمد نظام آروی کے صاحب زادے ہیں۔ پیدائش ۵؍دسمبر ۱۹۶۸ء بمقام گیا، بہار میں ہوئی۔ کلکتہ یونیورسٹی سے بی.اے.، ایچ.ڈی.سی. ایم.کی سند حاصل کی۔ تسکینِ قلب کے لئے شاعری کا شغل اختیار کیا۔ آپ کی تخلیقات کبھی کبھی نظروں سے گذرتی ہیں۔ چھپنے چھپانے کا زیادہ شوق نہیں ہے۔ حتیٰ کہ مقامی اخباروں میں بھی کم نظر آتے ہیں۔ کلام پر خوش فکر شاعر خالد قمر سے دوستانہ مشورہ کرتے ہیں۔ فی الحال Child Development Officer کے عہدے پر فائز ہیں۔ آپ اردو، انگریزی اور

بنگلہ ادب سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ گارڈن ریچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے اہم رکن ہیں۔ طالب علم کی حیثیت سے شیروانی ایوارڈ حاصل کیا۔ مغربی بنگال سطح پر مقابلہ جاتی امتحانات میں کئی انعامات حاصل کئے۔ غزلیں، آزاد نظمیں اور قطعات جیسی اصنافِ سخن پر مشق جاری ہے۔

نمونۂ کلام :

ترے خطوط کے پرزے فضا میں اڑتے ہیں
یہ تتلیاں بھی ہیں مجروح ماجرا کیا ہے

اس کرب کی روداد کو سمجھے گا بھلا کون
پانی کے گھروندوں میں نہ یوں بے بسی رکھئے

چشم میں خشک پانی کا منظر
دیکھئے زندگانی کا منظر

ہم خیالوں کے صنم خانے میں تھے
کیسے سنتے پھر حقائق کی صدا

خامشی پھیلی ہوئی تھی ہمارے درمیاں
پھر بھی سارے شہر میں اک خبر پیدا ہوئی

نشیمن میں سجا لوں گا میں جگنو
اندھیرے سن ذرا میرے تو گھر چل

مبارک سلیم

نام شیخ مبارک حسین، تخلص مبارک۔ تعلیم بی۔اے۔۔ آپ مٹیا برج کے بزرگ شاعر سلیم مٹیا برجی مرحوم کے لائق فرزند ہیں۔ شاعری آپ کو وراثت میں ملی ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۷ر جنوری ۱۹۴۷ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ ۱۹۸۰ء کے بعد کی نسل کے شعراء میں ہیں۔ کلام پر اصلاح کیف الاثر صاحب سے لیتے ہیں۔ ان کی شاعری مٹیا برج کی ایسی خوش گوار ادبی فضا میں پروان چڑھی جو گہوارۂ شاعری ہے۔ آپ نعت، قصیدہ اور منقبت کے ساتھ غزلیں بھی کہتے ہیں۔ گذشتہ کئی سال سے ربیع الاول کے مقدس مہینے میں ان کے قصائد پڑھے جا رہے ہیں۔ ذاتی مسائل اور عدیم الفرصتی کے سبب شاعری کے لئے زیادہ وقت صرف نہیں کر پاتے ورنہ ان کی شاعری میں مزید پختگی ہوتی۔ آپ کو ادبی، علمی اور سماجی کاموں سے بھی دلچسپی رہی ہے۔ ادبی تنظیم ''نوائے قلم'' کے صدر اور جج عبدالباری گرلس اسکول کی مجلسِ انتظامیہ کے رکن ہیں۔ زبان کی سلاست اور خیال کی ندرت نے ان کے کلام میں دل کشی پیدا کر دی ہے۔ بلند حوصلگی کا احساس اور عمل کا پیغام ان کی شاعری کے موضوع ہیں۔

نمونۂ کلام :

تصور جب شبِ فرقت تمہارا کرلیا میں نے
ذرا گردن جھکائی اور نظارہ کرلیا میں نے

قوم ملت سے ہے ملت جو نہیں کچھ بھی نہیں
یہ سبق آج کے بچوں کو پڑھایا جائے

پیہم عمل میں رہتا ہے کوشاں جو رات دن
اک دن اسی زمین سے سونا اگائے گا

بلندی پر پہنچنے کی جنہیں ہے آرزو اے دل
زمانے سے کبھی وہ ذکرِ دشواری نہیں کرتے

ملاح کے ہاتھوں سے پتوار ہی جب چھوٹا
ٹکرا گئے طوفاں سے کشتی کو بچانا تھا

اے مبارک نفرتوں کی بیج وہ بویا کریں
ہم تو یکجہتی کا نغمہ ہی سناتے جائیں گے

بھول کر تلخیِ آلام و مصائب سارے
خوش نما یاروں کو اب دل میں بسایا جائے

شیراز حسین شیراز

نوجوان شاعر شیراز حسین شیراز ابن سخاوت حسین کی پیدائش ۳۱ر جنوری ۱۹۶۸ء کو تاریخی سرزمین مٹیا برج میں ہوئی۔ تعلیم ایم.اے. تک ہے۔ شیراز کو طالب علمی کے زمانے سے ہی علمی، ادبی اور ثقافتی تقریبات سے دلچسپی رہی ہے۔ آپ کوئز، ڈبیٹ اور ایسکٹیمپور اسپیچ جیسے مقابلوں میں نمایاں طور پر حصہ لیا کرتے تھے جس کا نتیجہ ان کے حق میں سودمند ثابت ہوا۔ شیراز کی عمر جب بیس سال تھی تو انھیں St. Xavier's College میں ہونے والے تقریری مقابلے میں بہترین مقرر Best Speaker کا ایوارڈ دیا گیا۔ رجحان بچپن سے مذہب کی طرف تھا۔ اس لئے آپ ایک اچھے خطیب اور ذاکر کی حیثیت سے بھی پہچانے گئے۔ ۲۰۰۲ء میں عزاخانۂ زہراؑ حیدرآباد کی جانب سے ''آفتابِ کلکتہ'' کا خطاب دیا گیا۔ شاعری، گفتگو اور تقریر کی زبان میں شیرینی اور روانی ہے۔ المونیم سیٹ پر چھ ماہ میں مکمل قرآن لکھ کر بڑا کارنامہ انجام دیا ہے جس کی وجہ سے آپ کو غیر معمولی شہرت اور مقبولیت ملی۔ شیراز کے اس کام کی تشہیر اخبارات و ٹیلی ویژن نے بھی کی۔ اپنی شاعری کے متعلق انھوں نے فرمایا کہ یہ فن کسی استاد سے حاصل نہیں کیا بلکہ یہ میری ذاتی کوششوں کا نتیجہ ہے

کہ اشعار موزوں کر لیتا ہوں ۔ شیراز شاعری میں پاکیزہ خیالات ، ندرت اور فصاحت و بلاغت کا خاص خیال رکھتے ہیں ۔ مذہبی شاعری بالخصوص نعت ، منقبت ، نوحہ ، مرثیہ ، سلام اور قصیدہ کہنے کی طرف رجحان زیادہ ہے ۔ نعتیہ قصائد اور منقبت کے مدحیہ اشعار میں خلوص و عقیدت ، جذبہ اور احترام آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں جن میں تصنع کی گنجائش نہیں رکھتے ۔ بہر کیف مٹیا برج میں شعراء کی جو نئی نسل آئی ہے' اس میں شیراز بلاشبہ ایک باصلاحیت اور ذہین فن کار ہیں ۔ غزلوں میں جدید لب ولہجہ اور جدید خیالات ملتے ہیں ۔

نمونۂ کلام :

صرف پانی ہی چڑھایا ہے جلا کر چولہا
ایک بیوہ نے یتیموں کو سلانے کے لئے

وقت سے قبل نہ احساس بنا دے بالغ
اپنے بچوں کو نئی فلم دکھایا نہ کرو

خدا کا گھر لٹا بیٹھے رہے خاموش ہم گھر میں
ابابیلوں سے بھی یہ بزدلی دیکھی نہیں جاتی

گر اجب لڑکھڑا کر میں سبھی سمجھے نشے میں ہوں
مگر کتنے پہر کا میں تھا بھوکا کون دیکھے گا

گر ہو سکے تو اینٹ کا پتھر سے دے جواب
ورنہ زمانہ ٹھوکریں تجھ کو لگائے گا

خون شیراز کے تکیہ پہ ملا آج سحر
ایسا لگتا ہے وہ کل رات بہت رویا تھا

اے دلِ ناداں بتا میں سر جھکاؤں کس طرف
اک طرف کعبہ ہے میرے اک طرف میرا صنم

تشنگی جس کی بجھا کرتی رہی شبنم سے
اب اس کے لیے ناکافی سمندر کیوں ہو

ڈاکٹر ایس . جی . آئی . حیدر

سیّد غلام امام حیدر ابن سیّد اکرام الدین مرحوم کی ولادت ۱۱ر دسمبر ۱۹۵۶ء کو خضر پور میں ہوئی ۔ ان دنوں مستقل قیام مٹیا برج میں ہے ۔ کلکتہ یونیورسٹی نے آپ کے تحقیقی مقالہ ''سیّد حرمت الاکرام' فن اور شخصیت'' پر ڈاکٹر آف فلاسفی کی سند تفویض کی ۔ پیشہ درس و تدریس ہے ۔ آپ نے ادبی مضامین ، انشائیے ، مختصر نظمیں کہنے کے ساتھ انگریزی میں بھی کئی نظمیں کہیں ۔ کئی بنگلہ ڈراموں میں کردار ادا کرنے کے ساتھ اسکول میں کئی ڈرامے اسٹیج کئے ۔ آپ نے N. C. E. R. T. اور C. I. R. T. E. S. نئی دہلی سے کیریئر ٹیچر کی سند

حاصل کی۔ سینٹ جان ایمبولینس ایسوسی ایشن انڈیا (شاخ مغربی بنگال) صوبائی مرکز میں اردو کے واحد اعزازی لکچرار ہیں۔ سینٹ جان ایمبولینس مغربی بنگال ضلع -۲ میں ڈویژنل کمانڈر ہیں۔ وزارت ہوم سول ڈیفنس حکومتِ مغربی بنگال نے انھیں این۔ سی۔ سی۔ کلب ہاؤس کلکتہ کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کا ممبر منتخب کیا۔ آپ کی مرتب کردہ کتاب ''سیّد حرمت الاکرام' حیات اور کارنامے'' بردوان یونیورسٹی اور کلکتہ یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کی گئی۔ اسپورٹس میڈیسن میں سند یافتہ ہیں۔ سینٹ جان ایمبولینس بریگیڈ انڈیا کے سیوا مڈل ایوارڈ، این۔ سی۔ سی۔ گولڈن جبلی ڈی۔ جی۔ کا تحفہ برائے مغربی بنگال وسکم، این سی لانگ سروس میڈل اور بھارت سیوا ٹرسٹ (نئی دہلی) کا ٹیچرز ایوارڈ حاصل کیے۔ کیریئر کورسز کے موضوع پر مضامین لکھتے ہیں۔

شکیل انصاری

عالمی شہرت یافتہ اسٹیج آرٹسٹ شکیل انصاری، ڈاکٹر جمال احمد محشر کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت ۵/ مارچ کو علم وادب کی سرزمین مٹیا برج میں ہوئی۔ انگریزی میں ایم۔ اے۔ کی سند حاصل کی۔ اسٹیج کی دنیا کے لوگ شکیل انصاری کو صرف ایک اسٹیج آرٹسٹ سمجھتے ہیں لیکن کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آپ ایک شاعر اور اچھے نثر نگار بھی ہیں۔ انگریزی میں بھی مضامین اور نظمیں لکھتے ہیں جو اسکول میگزین اور مقامی اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ آپ ایک ادبی تنظیم ''قصر الادب'' کے سکریٹری ہیں۔ اس کے زیرِ اہتمام اپنے دولت کدے پر وقفہ وقفہ سے ادبی نشستوں کا انعقاد کرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف نوعیت کی تنظیموں سے منسلک رہ کر ادبی، علمی اور سماجی خدمات بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ لائنس کلب کلکتہ کلچرل سوسائٹی کے شعبۂ مزاح میں رکھے گئے ہیں۔ آپ کے والد ماجد جمال احمد محشر شاعر وادیب تھے، شکیل انصاری نے ان کے کلام کا انتخاب بعد از مرگ ''جمال احمد محشر۔ فن اور شخصیت'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی جو اربابِ علم وادب میں پسند کی

گئی۔ شکیل انصاری ایک بڑے فن کار، شاعر و ادیب کے ساتھ اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک ہیں۔ سماج کے ہر مکتبۂ فکر کے افراد سے خلوص و محبت سے ملتے ہیں۔ ان میں تکبر و غرور کا شائبہ تک نہیں اس وجہ سے عوام و خواص میں بے حد مقبول ہیں۔ ان کی زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند ہے۔

کلچرل پروگرام کے سلسلے میں آپ ویسٹ انڈیز، ہانگ کانگ، بنکاک، انڈونیشیا، دبئی، لندن، ہالینڈ، بلجیم، نیوزی لینڈ، فیجی، اسپین، امریکہ اور جنوبی افریقہ میں اسٹیج شو کرنے کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ شکیل انصاری کے لطائف کے دو کیسٹ ''شکیل کی شوخی'' اور ''شکیل کی شرارت'' ہندی اور اردو زبان میں جاری ہوئے۔ بنگلہ زبان میں دو کیسٹ ''کوتک میلہ'' (ہنسی کا میلہ) اور "Yes No, very good" جاری ہوئے۔ شکیل انصاری نے ایک بھوجپوری فلم ''سندر وا بھیل مہا'' میں کام کیا جس میں پردیپ کمار اور بھارت بھوشن نے بھی کام کیا تھا۔

نمونۂ کلام :

نفرت نہ غریبوں سے کرو تم کبھی اے دوست — ہوسکتا ہے کل وہ کوئی سلطان نکل جائے
جو ہنس ہنس کے وہ شخص ملتا ہے تم سے — تمھیں کیا خبر کتنا جلتا ہے تم سے
وہ کیا کیا نہ کہتا ہے پیچھے تمہارے — نہیں سوچتا وہ کہ پلتا ہے تم سے
جانا ہے ایک روز زمانے کو چھوڑ کر — لے جاؤ سب کا پیار یہاں سے نچوڑ کر
یہ امتحان کی ہے جگہ جان لو شکیلؔ — اعمال تم بناؤ یہاں سب کو چھوڑ کر
یہ زر، زمین، زن تو نہیں کام آئے گی — پھر فائدہ کیا اس کے لئے سر کو پھوڑ کر

ڈاکٹر محمد زاہد

ڈاکٹر محمد زاہد کی پیدائش ۵ ستمبر ۱۹۷۲ء میں قصبہ جائس، رائے بریلی، یوپی میں ہوئی۔ والد کا اسم گرامی محمد صادق ہے۔ کلکتہ یونیورسٹی نے ان کے تحقیقی مقالہ ''ساغر نظامی بحیثیت نثر نگار'' کو ڈاکٹریٹ کی سند تفویض کی۔ آپ شاعر بھی ہیں اور نثر نگار بھی۔ زیادہ تر نثری

ان دنوں ہندستان بالخصوص شمالی ہند انتشاری دور سے گزر رہا تھا۔ ملک کے گوشے گوشے سے انقلاب کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ ان حالات میں مغل سلطنت کے ایوانوں کی اینٹیں کھسکنے لگیں۔ امراء، نوابین، جاگیردار، راجہ اور مہاراجہ اپنے مفاد کے پیشِ نظر مغل سلطنت اور اودھ کی ریاست کی جڑیں اکھاڑنے کی تدبیریں کرنے لگے تھے۔ بیس سالہ نوجوان حکمراں واجد علی شاہ نے اپنے دور میں حکومت سنبھالتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اپنی فوجی طاقت کو مضبوط کرنے کے لئے دفاعی انتظام کو درست کیا اور عوام وخواص کے لئے یکساں قوانین بنائے۔ وہ دوسروں کو اس پر عمل کرانے کے ساتھ خود بھی فوجی قانون کے پابند تھے تاکہ عوام پر اچھا تاثر قائم ہو۔ ان دنوں صرف اودھ ہی ہندستان کی سب سے زیادہ پُر امن اور خوش حال ریاست تھی۔ انگریزوں کو ان کی خوش حالی اچھی نہیں لگی۔ چنانچہ اودھ کی سلطنت کا مکمل خاتمہ کرنے کے لئے وہ نئی نئی تدبیریں سوچنے لگے اور نت نئے حربے استعمال کرنے لگے۔ ان کی سازش کا یہ نتیجہ ہوا کہ اودھ کے کچھ نمک خوار غدار انگریزوں کے ہاتھوں بک گئے۔ اور ان کی مدد سے انگریزوں نے شاہی محل کا محاصرہ کرلیا اور واجد علی شاہ کی خدمت میں چند شرائط رکھے۔ ان شرائط کے مطابق حکومت بادشاہ کی ہوتی اور اس کی باگ ڈور انگریزوں کے ہاتھوں میں ہوتی۔ بادشاہ کے ضمیر نے گوارا نہیں کیا کہ ان شرائط کو تسلیم کرے۔ چنانچہ انھوں نے انگریزوں کی اس پیشکش کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا تو انگریزوں نے اپنی شعبدہ بازی اور عیارانہ سازشوں سے بادشاہ پر طرح طرح کے الزامات عائد کرکے ۷ ارفروری ۱۸۵۶ء کو معزول کردیا۔

واجد علی شاہ تخت سے دستبردار ہوکر کلکتہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اس وقت ان کے ساتھ تقریباً پانچ سو افراد تھے مگر بیگم حضرت محل اور شہزادہ برجیس قدر ان کے ہمراہ نہیں آئے۔ وہ اودھ ہی میں رہے۔ بادشاہ کی روانگی کے وقت لکھنؤ ماتم کدہ بن گیا تھا۔ فضا سوگوار اور عوام وخواص کے چہروں پر اداسیاں چھائی ہوئی تھیں۔ ان کے لئے بادشاہ سے جدائی کا غم ناقابلِ برداشت تھا۔ ان سب کو سوگوار چھوڑ کر بادشاہ نے لکھنؤ کو خیر باد کہا۔ آپ اہلِ وطن کو

نظمیں کہتے ہیں جن میں جدید لب ولہجہ اور عصری مسائل کی عکاسی ہے۔ایک نثری تصنیف ''لفظوں کے چراغ'' شائع ہوئی۔مضمون، افسانہ، غزل اور نظموں پر طبع آزمائی کر رہے ہیں۔کلکتہ ریڈیو پر بھی نظمیں، غزلیں اور نثری تخلیقات پیش کر چکے ہیں۔جرنلزم میں کلکتہ یونیورسٹی سے سند یافتہ ہیں۔ایک ماہنامہ اخبار ''ہمارا چمن'' جاری کیا تھا۔

نمونۂ کلام :

جو منظر آنکھوں میں بس جاتا بہت ہے — وہ منظر آنکھوں کو تڑپاتا بہت ہے
کبھی کبھی وہ شخص اجنبی سا لگتا ہے — بڑے خلوص سے جب ہم کسی سے ملتے ہیں
اس نے لبوں پہ پیاس رکھ دی تھی اس طرح — تا عمر ایک صحرا رہے جان و تن میں ہم
ہم نے مانا کہ ضرورت بڑی چیز ہے لیکن — کتنے دروازوں کو سجدوں سے سجایا جائے
کیسا صحرا ہے اُگ رہا ہے قدموں سے — اور کسی پیڑ کا آسرا بھی نہیں ہے
دل سسکتا ہے تو ذہن یہ سمجھاتا ہے — درد کا الفت سے گہرا کوئی ناطہ ہے

ڈاکٹر فرزانہ

ڈاکٹر فرزانہ خلیل ۱۹۷۰ء کو بجنور میں پیدا ہوئیں۔آپ مشہور نثر نگار ڈاکٹر شکیل اختر کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں بندھ کر مٹیا برج چلی آئیں۔آپ کے تحقیقی مقالہ ''رسالہ جامعہ کا تنقیدی اشاریہ'' پر جامعہ ملیہ اسلامیہ نے ڈاکٹریٹ کی سند تفویض کی۔آپ کے ادبی مضامین و مقالات اور تبصرے سہ ماہی ''مژگاں'' کلکتہ، ''راشٹریہ سہارا'' دہلی و دیگر جرائد میں بھی شائع ہوئے۔ان کی نثر کو پڑھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ ان کے اندر ایک اچھی سلجھی ہوئی فن کارہ موجود ہے۔آپ کی تحریر کا انداز اور زبان مٹیا برج کی موجودہ خواتین نثر نگاروں میں ممتاز ہے۔

شمس الدین شمس

نام شمس الدین عالم اور تخلص شمس ہے۔۱۹۶۴ء کو ٹکیہ پاڑہ، ہوڑہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۷۱ء میں مٹیا برج چلے آئے اور مستقل سکونت اختیار کر لی۔شاعری میں پہلے مشتاق جاوید

سے اصلاح لی۔ بعد ازاں کیف الاثر کے تلامذہ میں شامل ہوئے۔ آج جو کچھ کہتے ہیں اس پر نظر ثانی خود کرتے ہیں۔ آپ غزلیں اور قصائد کہتے ہیں لیکن کبھی کبھی گیت بھی لکھ لیتے ہیں۔ چوں کہ آپ خوش گلو ہیں اس لئے کلام ترنم سے پڑھتے ہیں۔ آپ کی غزلوں میں روایت اور جدید آہنگ کا عنصر ملتا ہے۔ شمس اپنے دلی جذبات کو نہایت سنجیدگی اور سادگی سے شعروں میں ڈھالتے ہیں۔ دراصل آپ کی شاعری احساس و جذبات کی شاعری ہے جس میں بیک وقت کئی رنگ نمایاں ہیں اور درد، غم و افسردگی کا اظہار بھی ہے۔

نمونۂ کلام :

تم جسے چاہو سراہو تمھیں حق ہے لیکن
شکل انساں میں رہا کرتا ہے چھپ کر اجگر

کس کی جرأت ہے بھلا شمس کو قاتل کہہ دے
وقت کی گود میں بیٹھا ہے فرشتہ بن کر

شیشۂ احساس مت دے تو فضا کے ہاتھ میں
ہے ابھی تک دیکھ پتھر پارسا کے ہاتھ میں

نفرتوں کے سارے پنچھی ہیں وفا کے پیڑ پر
قید ہیں جنگل کی خوشیاں بھیڑیا کے ہاتھ میں

سلطنت احساس کی ہو جائے گی زیر و زبر
رفتہ رفتہ بڑھ رہے ہیں سب فنا کے ہاتھ میں

گرم ہے آج سرِ راہ عجوبہ یہ خبر
چور شیشے کی طرح ہو گیا پتھر کا جگر

عیسیٰ رشک

عیسیٰ رشک ابن سمیع اللہ انصاری کا آبائی وطن مظفر پور بہار ہے۔ ان کی پیدائش ۱۵/اگست ۱۹۵۳ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ تعلیم ایم۔اے۔ بی۔ایڈ تک ہے۔ کئی برسوں سے آپ کمرہٹی کے ایک ہائی اسکول میں معلم کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ شاعری کا آغاز ۱۹۷۶ء میں کیا۔ کیف الاثر کے تلامذہ میں ہیں۔ ایک نصابی کتاب ''جدید سہل اردو'' شائع ہوئی۔ غزلیں اور قصائد پر طبع آزمائی کرتے ہیں۔ عیسیٰ رشک نے اپنی شاعری میں باطنی کیفیات اور محسوسات کے علاوہ خارجی حقائق کو بھی بیان کیا ہے اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کا بھی خیال رکھا ہے۔ زبان سادہ، سلیس اور پیرایۂ اظہار خوبصورت و موثر ہے۔

نمونۂ کلام :

اگر احساسِ اپنی کمتری کا ہو نہ انساں کو — تو ہر مشکل خود آساں ہو ہمالہ کیا یہ پربت کیا

بیانوں میں فصاحت ہو خیالوں میں بلاغت ہو — نہ ہو دل میں صداقت تو فصاحت کیا بلاغت کیا

اسی کو سربلندی ہوتی ہے حاصل زمانے میں — جو مثلِ آسماں جھک کر ذرا خم دار ہو جائے

نہ اترا شمعِ محفل دو گھڑی کی روشنی لے کر — سحر تک تیری لو کھودے گی اپنا حسنِ تابندہ

خودی کی کشمکش میں رہ گیا اے رشکؔ یہ انساں — نہ ہوتی فکر خودداری تو بندہ کیا عبادت کیا

سکندر علی منیرؔ

نام سکندر علی تخلص منیرؔ والد کا اسمِ گرامی محمد نعیم انصاری ہے۔ تعلیم ہائر سیکنڈری تک ہے۔ آپ کی پیدائش ۲۳ر جنوری ۱۹۵۱ء کو سرزمینِ مٹیا برج میں ہوئی۔ شاعری کے شوق کی تکمیل کے لئے انھوں نے جناب کیف الاثر کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ شاعری کے ساتھ مضامین اور مختلف مسائل پر مراسلات بھی لکھتے رہتے ہیں۔ ادبی، علمی، سماجی اور مذہبی جلسوں کی نقابت بھی کرتے ہیں۔ بزمِ رضائے مصطفےٰ کے سکریٹری، علامہ اقبال چیریٹی ہوم کے صدر اور مٹیا برج ہائی اسکول کی مجلسِ انتظامیہ کے نائب صدر رہیں۔ غزل، نعت، قصائد اور نظمیں کہنے میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ آپ کی شاعری مضامین اور اسلوب کے اعتبار سے گرچہ روایتی ہے مگر اس میں کہیں کہیں نئی فکر اور جدید لہجہ ملتا ہے۔ چوں کہ ان کا تعلق آج کے عہد سے ہے اس لئے عشقیہ رومانی اشعار کے ساتھ عصری احساسات سے متعلق بھی اشعار کہتے ہیں :

نمونۂ کلام :

گلوں کے قلب میں چنگاریاں بھی ہوتی ہیں — وفا کی راہ میں دشواریاں بھی ہوتی ہیں

انسانیت کا خون تو بہتا ہے روز و شب — دہشت گردوں نے قتل کو سمجھا ہے کیا ثواب

جن کا پیشہ فتنہ و شر ملک میں ہے اے منیرؔ — میری نظروں میں وہی سب سے بڑے غدار ہیں

زمانہ ہے بڑا شاطر بچ شطرنج سے اس کی — کسی شطرنج کا جیتا ہوا انعام مت لینا

قلم کو خونِ جگر ہم پلاتے ہیں پہلے پھر اس کے بعد غزل کو شباب دیتے ہیں
السلام اے حضرتِ واجد علی اختر سلام تونے آزادی کی خاطر دی ہے جاں تجھ پر سلام
وہ خاندانی حویلی اور آن بیچے گا جدید دور میں کیا کیا نشان بیچے گا

غلام نبی ایڈوکیٹ

الحاج غلام حسین صاحب کے صاحب زادے غلام نبی کی پیدائش ۱۹۵۸ء کو زکریا اسٹریٹ، کلکتہ میں ہوئی۔ کلکتہ یونیورسٹی سے ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی کی ڈگری حاصل کی۔ اردو اور انگریزی میں کئی مضامین اردو اور انگریزی اخبارات میں شائع ہوئے۔ دو نثری تصانیف ''پہلی چنگاری'' (۱۸۵۷ء کی پہلی جنگِ آزادی کے پس منظر میں) اور ''آپ سے مخاطب وکٹوریہ میموریل'' شائع ہوئے۔ اس میں کلکتہ کے وکٹوریہ میموریل کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ غلام نبی صاحب وکٹوریہ میموریل (حکومتِ ہند) کے صدر شعبۂ دستاویزات کے عہدے پر فائز ہیں۔ Rotery Club اور Central Cine Club سے بھی منسلک ہیں۔ ان کی تصنیف ''آپ سے مخاطب وکٹوریہ میموریل'' کو مغربی بنگال اردو اکیڈمی نے انعام سے نوازا۔ آپ کو Bil Right Scholarship (America) پیش کیا گیا۔ غلام نبی صاحب کا تعلق وکالت کے پیشہ سے ضرور ہے لیکن انھیں اردو اور انگریزی ادب سے اچھا خاصا لگاؤ ہے اسی وجہ سے ان کے اندر کا ادیب کبھی کبھی بیدار ہو کر نئی تخلیق پیش کرتا ہے۔

قنبر عظیم آبادی

نام غلام حسین ادبی نام قنبر عظیم آبادی ولد عباس حسین ۱۹۳۸ء کو عظیم آباد (پٹنہ) میں پیدا ہوئے۔ نغمۂ جاوداں کے خالق خالد قمر سے کلام پر مشورہ کرتے ہیں۔ مذہبی شاعری بالخصوص نعت، سلام، قصیدہ، نوحہ اور منقبت کہنے میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ غزلیں بھی کہتے ہیں اور اچھی کہتے ہیں۔ بزمِ مقاصدہ اور مشاعروں میں خوبصورت کلام کو مترنم آواز میں پیش کر کے سامعین

کو اپنی جانب متوجہ کر لیتے ہیں۔ایک ادبی ادارہ ''کاشانۂ ادب'' کے بانی اور سکریٹری کی حیثیت سے ادبی نشستوں اور مشاعروں کا اہتمام کرتے رہتے ہیں۔شاعری کی زبان میں ایک خاص رکھ رکھاؤ ہے، سنجیدگی اور سادگی ہے پیچیدگی نہیں۔قنبر بنیادی طور پر روایتی شاعر ہیں جس کا اظہار ان کی غزلوں اور قصیدوں سے ہوتا ہے لیکن رفتہ رفتہ ان کے لب ولہجہ میں خوشگوار تبدیلی آتی جارہی ہے۔آپ کسی بھی موضوع کو خوبصورت انداز میں نظم کرنا جانتے ہیں۔

نمونۂ کلام :

میں تو کہتا ہوں دعا کی شاخ اب پھلتی نہیں — اپنی آہوں اپنے نالوں کا اثر مت ڈھونڈیے
مری ہستی مٹانے پر ادھر دشمن ہے آمادہ — ادھر دل کو ہے ضد کہ جوہر شمشیر دیکھیں گے
رنگ بدلتی اس دنیا میں پیٹ کا دوزخ بھرنے کو — کس نے کتنی ٹھوکر کھائی میں بھی سوچوں تو بھی سوچ
تو حاکم ہے تو منصف ہے کرنا ہے انصاف تجھے — کیسے تڑپ کر دم نکلا ہے آمقتول کا بستر دیکھ
جہل کے ابر ہیں تاحدِ نظر چھائے ہوئے — فکر کے چرخ سے کیا نکلے سخن کا سورج
ٹکڑے ٹکڑے ہو کے بھی بولے گا سچ — دیکھ کر منہ لاکھ توڑو آئینہ

جمال کاشف

ادبی نام کاشفؔ اور نام سیّد جمال ہے۔۲۵/اکتوبر ۱۹۵۹ء کو سیم پوکھر لین مٹیا برج میں پیدا ہوئے۔مشہور شاعر دائم الایمان کے تلامذہ میں تھے۔تعلیم ایم.اے.تک ہے۔ تلاشِ معاش کے چکر میں ایک اچھا شاعر ادب سے دور ہوگیا۔انھوں نے کچھ وقت نکال کر چند اصنافِ سخن مثلاً غزل،نعت،قطعات اور قصائد کہے۔رسول اکرمؐ کی شان میں جو قصائد لکھے ان میں ممدوح کی مدح خوبصورت انداز میں کی۔آپ کی زیادہ تر غزلیں روایتی ہیں لیکن ان میں زبان وبیان کے ساتھ اچھی فکر بھی ملتی ہے۔

نمونۂ کلام :

تذکرہ جس دم کیا ان کے لب و رخسار کا — جامِ جم گویا بنا ہر ایک لفظ اشعار کا
طوفاں تھا زور پر تو مخالف ہوا بھی تھی — ہمت ہماری ہم کو تو ساحل پہ لائی ہے

خطاب جس کا مسخر نہ کر سکا دل کو　　بھلا بتاؤ اسے کیسے میں خطیب کہوں
برف کے مانند پگھلا خود بخود سنگِ انا　　ہوگیا قائل وہ آخر عظمت و کردار کا
شیریں مقال بن کہ اسی میں بھلائی ہے　　بزمِ جہاں میں تلخ کلامی برائی ہے

اشفاق حسین اشفاقؔ

نوجوان شاعر اشفاق حسین اشفاق بلبلِ بنگال بابو قوال مرحوم کے صاحب زادے کی پیدائش ۲۳/اکتوبر ۱۹۷۰ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ کلکتہ یونیورسٹی سے ایم.اے. پی.ٹی.ٹی. کی سند حاصل کی۔ شاعری میں کوئی استاد نہیں۔ خود لکھتے ہیں اور خود نظر ثانی کر لیتے ہیں۔ بچپن ہی سے ایک ذہین طالب علم رہے ہیں۔ مذہبی شاعری پر زیادہ مشق کرتے ہیں۔ نظمیں اور غزلیں بھی کہتے ہیں۔ مباحثہ، فی البدیہہ تقریر، کوئز، نظم خوانی جیسی تقریبات میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ Sir Syed Group, Rotary Club, DYFI, IDRAD جیسے سماجی اداروں سے بہت سارے انعامات حاصل کئے۔ آپ زیادہ تر نعتیہ قصائد اور ائمہ کرام اور بزرگانِ دین کی شان میں منقبت عقیدت سے لکھتے ہیں جنھیں سننے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ اگر انھوں نے سنجیدگی اور محنت و لگن سے کام کیا تو ادبی سفر میں بہت آگے جائیں گے۔ غزل، قصیدہ، منقبت، سلام اور نوحہ کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

نمونۂ کلام :

رازِ فطرت راز تھا انساں تھا جس سے بے خبر　　علم و حکمت، عقل و دانش نے نمایاں کر دیا
یہ کون آیا کہ بارش ہے عود و عنبر کی　　ملک بچھائے ہیں نظریں جہاں کو حیرت ہے
اژدھا چیر دیا خانۂ حق میں آکر　　اسد اللہ نے دکھلا کے شجاعت کا چراغ
اولاد دی گلہ دیا گھر بھی لٹا دیا　　اسلام ہر طرح سے بچایا حسینؑ نے
ایک ننھی سی لحد دیکھ کے سب روتے یہیں　　شام کی قید میں احمد کے گھرانے والے
جہاں میں ظلم اگر ہے تو اہلِ ایماں پر　　زمانہ جان لے رہبر ہمارا غیب میں ہے

عباس غدیری

قلمی نام عباس غدیری، نام اختر عباس۔ غلام حسین مرحوم کے نیک فرزند۔ ۳۰ر نومبر ۱۹۶۹ء کو جون پور، یوپی میں پیدا ہوئے۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے ایم.اے. کیا۔ پیشہ معلّمی ہے۔ مٹیا برج کے ادبی اور مذہبی ماحول میں رہ کر شعر کہنے کا شوق پیدا ہوا تو آپ نے سیّد علی ظفر شمیم کے آگے زانوے ادب تہہ کیا۔ رفتہ رفتہ شاعری نکھرتی گئی۔ مذہبی شاعری کی طرف رجحان ہے اس لئے نہایت عقیدت و احترام سے حضورؐ اور اہلِ بیت کی شان میں نعت، منقبت اور قصائد لکھتے ہیں۔ ان کی غزلوں کا رنگ روایتی ضرور ہے لیکن ان میں موجودہ دور کی عکاسی بھی ملتی ہے۔ آپ لطیف و نازک جذبات و احساسات کی ترجمانی نہایت سلیقے سے کرنے کا اچھا ہنر رکھتے ہیں۔ ان اشعار سے ان کے مزاج اور میلان کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ منقبت اور رباعی کے اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

نمونۂ کلام :

پچیس شعر کہہ کے غدیری کروں گا کیا　　چودہ بہت ہیں میری شفاعت کے واسطے
قبروں کے آس پاس بھی سبزے نہ اُگ سکے　　جن کی علی کے بغض میں مٹی خراب ہے

رباعی

پیہم صدا یہ دیتی ہے احساس کی خوشبو　　سیراب کرگئی ہے ہمیں پیاس کی خوشبو
ہوگا علاقہ سارا وفادار دوستو　　پہنچے گی جہاں تھوڑی سی عباس کی خوشبو

محمد اقبال

محمد اقبال ابن شیخ منا صاحب کی ولادت ۲۷ر اکتوبر ۱۹۶۳ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ کلکتہ یونیورسٹی سے ایم.اے. اور ڈبلیو بی سی ایس کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کر کے انسپکٹر لیگل میٹرولوجی کنزیومر آفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ادب کے طالب علم ہونے کے سبب اردو ادب سے گہرا لگاؤ رہا ہے۔ آپ کے کئی مضامین کالج میگزین اور اخبارات میں شائع ہوئے۔ مغربی بنگال اردو اکیڈمی کے ''شامِ ادب'' میں کئی بار مضامین

پڑھنے پر توصیفی سند ملی۔ ان دنوں ہندستانی لائبریری، مٹیابرج میں جنرل سکریٹری کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

عالم گیر عالمؔ

نام محمد عالم گیر تخلص عالمؔ ابن الحاج عبدالمقتدر کی پیدائش ۲۲ر اپریل ۱۹۵۲ء کو پکڑیا تالاب، مٹیابرج میں ہوئی۔ تعلیم بی۔اے۔ پارٹ I تک ہے۔ پیشہ سے ڈاکٹر شوق سے شاعر ۱۹۹۰ء میں شاعری کا آغاز کیا۔ نعت اور غزلیں کہتے ہیں لیکن قصیدہ پر خاص توجہ دیتے ہیں۔ مٹیابرج کی نئی نسل کے قصیدہ گو شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ قصائد میں آپ ممدوح کے شایانِ شان لفظوں کا استعمال اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سلیس زبان میں نہایت شائستگی سے نظم کرتے ہیں۔

نمونۂ کلام :

ہم اپنی زمیں آپ بنانے پہ ہیں قائم — غیروں کی زمینوں پہ کبھی رہ نہیں سکتے
خالی گھر کی اداس تنہائی — بوجھ کب تک مرا اٹھائے گی
دور ہم کو یہاں سے جانا ہے — تھپکیاں دے کے کیوں سلاتے ہو
کسی کے قد کا ہو اندازہ کیوں کر — نظر آتے ہیں بوڑھے، بچے جیسے
نئے احساس کی زندہ علامت — میں تنہا ہوں مجھے پتھر نہ لکھنا

جاوید اختر

۴ر جنوری ۱۹۷۱ء کو مٹیابرج میں ولادت ہوئی۔ والد محترم کا اسم گرامی محمد اختر ہے۔ کلکتہ یونیورسٹی سے ایم۔اے۔ کیا۔ ان دنوں آپ ایک تحقیقی مقالہ واجد علی شاہ اختر کے فن اور شخصیت پر لکھ رہے ہیں۔ اچھا ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ مٹیابرج میں بالکل نئے نثر نگاروں کی جو پیڑھی آئی ہے اس میں آپ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ ادبی سفر کی رفتار سست ہے اس لئے کبھی کبھی کوئی مضمون اخبار یا میگزین وغیرہ میں دیکھنے کو مل جاتا ہے۔ آپ کے مطبوعہ مضامین

میں ''مغربی بنگال میں افسانہ نگار'' واجد علی شاہ اختر کی علمی و ادبی خدمات، مثنوی کا آغاز و ارتقا، سعادت حسن منٹو کی افسانہ نگاری اور مشاہیر ادبی شخصیات کے فن اور شخصیت پر مضامین لکھے جو اخبارات میں شائع ہوئے۔

محمد صابر علی دریابادی

محمد صابر علی دریابادی گرچہ شاعر نہیں کبھی کبھی مضامین لکھ لیتے ہیں۔ انھیں قصیدہ خوانی کی محفل سجانے میں گہری دلچسپی ہے اس لئے ہر سال ربیع الاول کے مقدس مہینے میں محفلِ قصیدہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ ادبی، علمی و سماجی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ آپ نے مٹیا برج کے شعراء کے قصائد کا ایک انتخاب ''منتخباتِ قصائد'' کے نام سے ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔ آپ کا یہ کام بہت اچھا اور تعمیری ہے کیوں کہ اس کتاب میں آپ نے قصائد کے سرمائے کو محفوظ کر دیا ہے۔ مستقبل میں یہ کتاب مٹیا برج میں صنفِ قصیدہ پر کام کرنے والے محققین کے لئے سود مند ثابت ہوگی۔ صابر علی دریابادی کی ترتیب کردہ کتاب ''منتخباتِ قصائد'' ایک اچھی کوشش ہے۔ ان کی یہ کوشش ادبی اور مذہبی نقطۂ نظر سے اہمیت کی حامل ہے۔ پرائمری اسکول کے نصاب کے لئے کئی کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔

احمد حسین آمؔد

عبدالمجید کے صاحب زادے احمد حسین آمؔد کی پیدائش ۲۱ر مارچ ۱۹۴۵ء کو کچڑا پاڑہ، چوبیس پرگنہ میں ہوئی۔ مستقل رہائش مٹیا برج میں ہے۔ آپ بنیادی طور پر قصیدہ کے شاعر ہیں۔ خوش فکر نوجوان شاعر امان اللہ ساغؔر سے کلام پر اصلاح لیتے ہیں۔ ہر سال دو تین قصائد لکھ لیتے ہیں۔ جو عید میلاد النبی کے موقع پر پڑھے جاتے ہیں۔ اچھے سماجی خدمت گار ہیں۔ مشہور سماجی ادارہ حبشی تالاب بلم تالاب انائن سمیتی کے بانی اور گارڈن ریچ ورکس مین یونین اور گارڈن ریچ ناگرک پریشد کے نائب صدر رہیں۔ ایک اچھے مقرر بھی ہیں۔ گوا میں

منعقد ہونے والے مزدور یونین کانفرنس میں بہترین مقرر کا انعام دیا گیا۔

نمونۂ کلام :

بیکار کیا کرتے ہو تم عرضِ تمنا — پتھر کو پگھلنے میں ذرا دیر لگے گی
عجب انداز سے اٹھلا رہی ہے موج دریا کی — نہ یہ طوفاں ٹھہرتا ہے نہ یہ دریا اترتا ہے
قوم و ملت کا شیرازہ آج ہے بکھرا ہوا — کر مدد یا سیّدی امت تیری مشکل میں ہے
نظر سے چومئے ہر ذرۂ دیارِ نبی — ادب سے چلئے مدینہ مقامِ رحمت ہے
اسی کے عشق میں احمؔر اسی کی چاہت میں — دلوں کو پاک نگاہوں کو پاکباز کیا

تنویر احمد تنویرؔ

تنویر احمد تنویرؔ بی۔اے۔ابن غزالدین ۱۸/جولائی ۱۹۶۵ء کو پھول بگان کلکتہ میں پیدا ہوئے۔قوالی کی دنیا میں اچھی شہرت رکھتے ہیں۔آپ نے غزل، نظم، قطعہ، خمسہ، نعت اور منقبت جیسی اصنافِ سخن پر مشق کی۔آپ کے کلام کے کئی کیسٹ کا اجراء ہوا۔تنویرؔ کے چند اشعار پیش خدمت ہیں جن میں آپ نے روایتی مضامین کے ساتھ جدید خیالات کو بھی نظم کیا ہے۔

نمونۂ کلام :

میرے سائے سے بھی کترا کے گذر جائیں گے — چاک دامن سے عیاں جب مری غربت ہوگی
مظلوم غریبوں کے گھر جاکے ذرا دیکھو — مجبور کی آنکھوں میں تصویر ضرورت کی
مفلسی کا مجھے احساس رہا ہے ہردم — یہ نہ چاہا کبھی زرداروں میں عزت ہوگی
دھوپ اور چھاؤں کی پہچان تمھیں بھی ہوگی — آبلہ پا کبھی صحرا سے گذر کر دیکھو
عجائب گھر میں سکے رکھ دئے ہیں — بڑے ہیں قیمتی چلتے نہیں اب
مت اچھالو کسی کی عزت کو — وقت پانسا پلٹ بھی سکتا ہے

بدرالدین مہرؔ

نام محمد بدرالدین تخلص مہرؔ جناب ریاست حسین کے فرزند کی پیدائش ۱۹۳۴ء کو مٹیا برج

دعائیں دیتے ہوئے کانپور کے لئے یہ شعر کہتے ہوئے روانہ ہوئے :

در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

بادشاہ نے کانپور میں برنڈن صاحب کے بنگلہ پر ایک ماہ تک قیام کیا۔ وہاں سے کوچ کرنے کے بعد ایک دن کے لئے فتح پور (الٰہ آباد) کے ایک بنگلہ میں ٹھہرے۔ بعد ازاں ایک دن گوپی گنج میں گذارا۔ ۶/اپریل ۱۸۵۶ء کو بنارس کی چھاؤنی میں مہاراجہ کی کوٹھی میں قیام کرنے کے بعد اپنی سمندری کشتی ''بادِ بہاری'' کے ذریعہ ۱۹/دنوں تک کا طویل سفر طے کر کے ۱۳/مئی ۱۸۵۶ء کو کلکتہ کی سرزمین پر قدم رکھا۔ کلکتہ روانہ ہونے سے قبل بادشاہ نے اپنے سفیر مولوی مسیح الدین بہادر کو پہلے ہی کلکتہ روانہ کر دیا تھا تا کہ وہ قیام کا معقول بندوبست کر سکیں۔ مولوی صاحب نے کلکتہ پہنچ کر بردوان کے راجہ سے ملاقات کی۔ واجد علی شاہ کے قیام کے لئے راجہ نے موچی کھولہ (مٹیا برج جس کا قدیم نام سندر بن تھا) کی اپنی ایک عمارت میں قیام کی اجازت دے دی۔ جب کلکتہ میں بادشاہ کی آمد کی خبر انگریزوں کو ملی تو قلعہ فورٹ ولیم سے آپ کے شاہانہ استقبال کے لئے ۲۱/توپوں کی سلامی دی گئی۔ بادشاہ کے ساتھ پانچ سو ملازمین اور تین ہزار سپاہیوں کے علاوہ وزراء، بیگمات، کنیزیں، منشی، کاریگر، سازندے اور شاعر و ادیب بھی تھے۔ پھر رفتہ رفتہ لکھنؤ کے مہاجروں کا قافلہ بھی کلکتہ آنے لگا تھا۔ بادشاہ کی کلکتہ آمد کے ایک سال بعد یعنی ۱۵/جون ۱۸۵۷ء کو انگریزوں نے واجد علی شاہ کو گرفتار کر کے فورٹ ولیم میں قید کر دیا۔

بادشاہ کی معزولی اور کلکتہ میں نظر بندی سے ان کی اہلیہ بیگم حضرت محل اور صاحب زادے برجیس قدر خاموش نہیں رہے بلکہ بیگم حضرت محل اپنے تاجدار کے ساتھ ناانصافی کا انتقام لینے کے لئے بے چین ہوا ٹھیں۔ لہٰذا انھوں نے اپنی حکومت دوبارہ حاصل کرنے کے لئے ہمسایہ ریاستوں کے امراء، رؤساء، راجہ، مہاراجہ سے صلاح و مشورہ کیا۔ پڑوسی ریاستوں نے انھیں مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ بیگم حضرت محل نے آخری مغل حکمراں بہادر

میں ہوئی ۔ اپنے استاد کمتر عظیم آبادی سے بہت زیادہ متاثر ہیں ۔ زیادہ تر آزاد اور نثری نظمیں کہتے ہیں ۔ کبھی کبھی غزلیں کہہ لیتے ہیں ۔ آپ خوف و ہراس ، مایوسی و محرومی اور اپنے معاشرہ میں رونما ہونے والے سانحات کا تذکرہ اپنی غزلوں اور نظموں کے وسیلہ سے کرتے ہیں ۔ بدرالدین مہر خاص طور سے نظموں کے شاعر ہیں ۔ اس لئے ان کی زیادہ تر نظمیں قاری کو متاثر کرتی ہیں ۔ جن میں سرمایہ دارانہ نظام اور استحصالی قوتوں کے خلاف گونج صاف طور پر سنائی دیتی ہے۔

نمونۂ کلام :

بش کے قبیلے والے کی ہے ذہنیت خراب — وہ چاہتے ہیں دنیا میں بن کر خدا رہیں
نام کا اشتہار کرتے ہیں — اور نہتوں پہ وار کرتے ہیں
سوکھے ہوئے شجر پہ بھی آئی ہے زندگی — ماضی کی طرف لوٹ مذاہب کی طرف دیکھ

نظم "تجارت"

ماؤں کی حرمت/ بہنوں کی عزت/ ملکی دستاویز/ بیچ کر بھی ہمیں تلاش ہے/
انسانی لاشوں کی/ انسانی ڈھانچوں کی/ اپنے وطن کے لئے/ غیر ملکوں کے لئے

اشتیاق عالم رہبر

نام محمد اشتیاق عالم تخلص رہبر محمد امیر الدین صاحب کے فرزند کی ولادت ۴/ مارچ ۱۹۷۵ء کو نیا ٹولہ کبیر پورہ ، ناتھ نگر ، بھاگلپور ، بہار میں ہوئی ۔ وطن ثانی مٹیا برج ، کلکتہ ہے ۔ مشتاق جاوید کے شاگرد ہیں ۔ انھوں نے شاعری کا آغاز ۲۰۰۳ء سے کیا ۔ مبتدی شاعر کی حیثیت سے اچھا شعر کہتے ہیں ۔ خوش گلو ہیں کلام ترنم سے پڑھتے ہیں ۔ قصیدہ خوانی میں مقبولیت حاصل ہے ۔ آپ کا کلام رومانی ہونے کے ساتھ عصری تقاضوں کا حامل ہے ۔ فی الحال نعت ، سلام ، منقبت اور غزلوں کو مشقِ سخن بنایا ہے ۔ اگر انھوں نے سنجیدگی اور خلوص سے مشقِ سخن جاری رکھا تو آنے والے دنوں میں ایک اچھے شاعر بن کر ابھریں گے۔

نمونۂ کلام :

میں مسلماں ہوں اسی واسطے تو ہم نفسو! لوگ بچوں کو مرے زندہ جلا دیتے ہیں
اپنے اخلاق سے دنیا کو جھکادیتے ہیں سنگ زاروں کو بھی ہم موم بنادیتے ہیں
سینچو گے اپنے خون پسینے سے تم اگر اے دوست! ریگزار بھی فصلیں اگائے گا
بوترابی خون کا ہی تھا اثر کہ آپ نے سر نہ دربارِ یزیدی میں جھکایا ہے حسینؓ
ایک رہبر ہی نہیں خلقِ خدا کہتی ہے یہ تو نے مردہ قوم کو پھر سے جگایا ہے حسین
رہبر تو رحلِ فکر کو اب کھول دے ذرا حالاتِ حاضرہ پہ میں اشعار کہوں گا

حسن اورنگ آبادی

نام ابوالحسن انصاری تخلص حسن ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۶ر جون ۱۹۶۹ء کو موضوع ارتھوا اورنگ آباد، بہار میں پیر محمد انصاری صاحب کے گھر ہوئی۔ جنابِ کمترؔ عظیم آبادی سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ مٹیا برج کی نئی نسل کے شعراء میں تیزی سے ابھر رہے ہیں۔ اپنی شاعری میں انھوں نے حسن وعشق کے ساتھ غمِ جاناں اور غمِ دوراں کا بھی اظہار کیا ہے۔ مضامین روایتی اور لہجے میں سادگی ہے۔ غزل ان کی محبوب صنف ہے اس لئے اپنے جذبات کو غزلوں کے اشعار کے پیکر میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نمونۂ کلام :

گلوں کی آبیاری تک ہوئی ہے خون سے میرے چمن میں چار سو پھیلی ہوئی شہرت تمہاری ہے
میری بکھری ہوئی صورت نہ دیکھو میرے اندر ہے اک طوفان باقی
مٹی کا اک مکاں تھا اور پھوس کا تھا چھپر سیلاب ایسا آیا سب لے گیا بہا کر
لب کھلے بھی نہیں کچھ کہا بھی نہیں اور نگاہوں سے دل میں اتر بھی گئے
صبح شعاعِ نور سے روشن تو ہے مگر دیکھیں کہاں پہ کرتی ہے اب شام زندگی
بہنوں اور بیٹیوں کو برہنہ کیا گیا اس دور میں جینا بھی حسنؔ کا کمال ہے

زین العابدین راشدؔ

زین العابدین راشد ۲؍اکتوبر ۱۹۵۸ء کو محمد اسرائیل صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ آبائی وطن رمضان پور، مونگیر ہے۔ بی.اے. مکمل کرنے کے بعد آپ نے شاعری کی طرف توجہ دی جس کا آغاز انھوں نے ۱۹۸۲ء میں روایتی غزلوں سے کیا۔ ابتدائی دنوں میں کچھ غزلوں پر حضرتِ قیصر شمیم سے اصلاح لی۔ گذشتہ بیس برسوں سے جناب مشتاق جاویدؔ کی رہنمائی حاصل ہے۔ آپ کی تخلیقات نقشِ حیات، ادب اور اسپورٹس، سوغات و دیگر مقامی اخبارات اور ''پاکستان'' میں شائع ہوئیں۔ آپ کے کلام میں اگر ناکامی، ہجر و وصال اور اضطرابی کیفیات ملتی ہیں تو وہیں عصرِ حاضر کے تقاضے اور نیا آہنگ بھی ملتا ہے۔ شروع میں کچھ رومانی غزلیں کہیں لیکن بعد میں جدید لب ولہجہ اختیار کیا۔ آپ کا شمار بھی مٹیا برج کی نئی نسل کے شعراء میں ہے۔ اگر ادبی سفر جاری رہا تو کامیابی کے امکانات ہیں۔

نمونۂ کلام :

سالِ نو کی پہلی شب کو جام ٹکرانے کے بعد
گذرے لمحوں کی سبھی یادیں بھلا دی جائیں گی

شہر میں تعمیر ہوں گے ہر طرف پختہ مکان
کچی دیواریں سبھی راشدؔ گرا دی جائیں گی

سانپ تیرتے ہیں جب پانیوں کی سطح پر
کس لئے یہ حکم ہے تشنگی بجھاؤں میں

تو میرے خشک نگاہوں پر شک نہ کر راشدؔ
کچھ اس طرح سے بھی آنسو بہائے جاتے ہیں

بڑے سکون سے آئی ہے نیند راتوں میں
کہ اس کی یاد مری خواہشوں کا بستر ہے

شاہدؔ اقبال

نام محمد شاہد اقبال انصاری، قلمی نام شاہد اقبال۔ محمد ظہیر الدین انصاری کے صاحب زادے کی پیدائش ۳۰؍جولائی ۱۹۸۱ء کو واجد علی شاہ کی نگری مٹیا برج میں ہوئی۔ آپ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں بی.اے. فائنل ایئر کے طالب علم ہیں۔ کمپیوٹر کتابت اور تزئین کاری میں اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ ادبی و ثقافتی مقابلوں میں شرکت کرنے کا شوق اسکول

کے دنوں سے ہے۔ حمد، نعت اور غزل پر طبع آزمائی جاری ہے۔ اصلاحی اور معلوماتی مضامین بھی لکھتے ہیں۔ نثری و شعری تخلیقات مقامی اخباروں میں چھپتی رہتی ہے۔ شاہد کے حوصلے بلند ہیں۔ مستقبل میں ان سے اچھی شاعری کی امید کی جاسکتی ہے۔

نمونۂ کلام :

ہاں وہی کامیاب ہوتا ہے — جس کی آنکھوں میں خواب ہوتا ہے
خلد کی آرزو کروں کیوں کر — بندگی کب ہے بندگی میری
جنوں کی راہ میں خود کو مٹا کر ہم بھی دیکھیں گے — لہو کا آخری قطرہ بہا کر ہم بھی دیکھیں گے
اگر شرطِ غزل گوئی یہی ٹھہری میاں شاہدؔ — تخیل میں کوئی پیکر بسا کر ہم بھی دیکھیں گے
بشر نے چاند کو بھی چھولیا، مگر شاہد — تصورات کی دنیا بسائے بیٹھے ہیں

ڈاکٹر الفؔ انصاری

میری شناخت میری تصانیف ہیں۔ اسپورٹس اور ادب کے تعلق سے راقم الحروف کی خدمات کو معتبر اخبارات و رسائل کے علاوہ جن مشاہیر اہلِ قلم نے سراہا ہے ان میں ڈاکٹر عنوان چشتی، ناوک حمزہ پوری، ڈاکٹر شرف الدین ساحل، بیکل اتساہی، کالی داس گپتا رضا، پریم پال اشک، ڈاکٹر بشیر بدر، جسٹس خواجہ محمد یوسف، قاضی مشتاق احمد، مناظر عاشق ہرگانوی، عبدالاحد سازؔ، م.م. راجندر، پرکاش فکری، جلیل بازید پوری، ظہیر غازی پوری، ڈاکٹر اسلم حنیف، رؤف خیر، سیفی سرونجی اور ڈاکٹر شمیم انور وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ۲۰۰۲ء سے شاعری کر رہا ہوں۔ شاعری میں مبتدی ہوں اور مبتدی کا کلام جیسا ہونا چاہئے، وہ حاضر ہے۔

مجھے زندگی کی دعا کس لئے دی — بتا تو نے ایسی سزا کس لئے دی
زبانوں سے شرر باری بہت ہے — نئے ذہنوں میں چنگاری بہت ہے
کانپ اٹھتے ہیں اہلِ شر کے قدم — جب سخن ور کا قلم بولتا ہے
لبادہ اوڑھ لو تم بھی فریب و مکر کا یارو — شرافت اور عزت سے تو سرداری نہیں ملتی
کل تک جو رہزنی میں تھا مشہور اے الفؔ — وہ شخص آج قوم کا رہبر دکھائی دے

مٹیا برج کے وہ شعراء جن کے صرف ایک دو اشعار ہی دستیاب ہو سکے

آغا قدسی

مے کدہ اس سے بنے گا کہ بنے گی مسجد　　دیکھئے خاک مرے بعد فنا کیا ہوگی

الٰہی بخش تبسم

بعد مرنے کے دکھایا رنگ اپنا عشق نے　　قبر پر میری وہ گل پھولوں کی چادر لے گیا

رمز مٹیا برجی

دال میں کالا سمجھئے ہے ضرور　　جانبِ کعبہ اگر شنکر چلے

اچھے میاں

مے خانہ ایک ہم لب کوثر بنائیں گے　　کرب و بلا کی خاک کا ساغر بنائیں گے

عبدالحمید، حمید مٹیا برجی

چمن جو مل بھی گیا آشیاں نہیں ملتا　　ہمارے گھر میں ہمارا نشاں نہیں ملتا

فیصلہ دل کا خود آپ ہی کیجئے ہم سے مت پوچھئے ہم نے کیا رکھ دیا
اپنی صورت نظر آئے گی آپ کو اس لئے سامنے آئینہ رکھ دیا

نعمت مٹیا برجی

گرے غش کھا کے جب موسیٰ کہا برقِ تجلی نے　　عبث ہے دید جب تک سوزِ دل کامل نہ ہو جائے

فکر مٹیا برجی

تو رہے گا فکر کب تک بھلا اس کی آرزو میں　　تیری ہر خوشی پہ اکثر جو ستم بھی ڈھا کے روئے

نازش مٹیا برجی

گھٹائے اشک غم کو جھوم کے آنے کی عادت ہے　　غضب ہے یوں کوئی تقدیر کا قائل نہیں ہوتا

مہدی رنگیں

مصیبت جھیلتا ہوں اور پھر بد دل نہیں ہوتا　　غضب ہے یوں کوئی تقدیر کا قائل نہیں ہوتا

سمیع اللہ شاہد

نادانی تھی ناسمجھی تھی ہم اس کی ہمت کر بیٹھے　　اچھا نہ کیا جو بے سمجھے اے دوست محبت کر بیٹھے

اوروں کو برا کیوں کہتے ہو خود پر بھی نظر ڈالو شاہد　　دنیا کو برا کہنے کی تم کس طرح سے جرأت کر بیٹھے

مرتضیٰ حسین غمگین

عشق میں غم بھی مداوا جو نہ ہوتا دل کا　　تو دوائے دل اکسیر نہ ہوتی میری

نور مٹیا برجی

بہار آنے سے پہلے آئی تھیں رنگینیاں ساقی　　کہاں شیشہ، کہاں ساغر، کہاں میکش، کہاں ساقی

نشہ کچھ اس طرح چھا جائے اپنی چشمِ گریاں پر　　کہ بس اڑتے نظر آئیں زمین و آسماں ساقی

حکیم سیّد عابد علی طبیبؔ

خاموش طبیبؔ اب کے ید اللہ کی دختر کہتی تھی یہ رو کر

اب کاہے کو یثرب کی طرف جائے گی زینبؑ گھبرائے گی زینبؑ

سیّد محمد نبیؑ حیدری

نوحہ

شدتِ تشنہ لبی سے ہوئے اصغرِ بیتاب　　دیکھ کر حال پسر کا ہوئے سرور بیتاب

اپنے روضے پہ بلا لیجیے آقا اللہ　　ہے زیارت کے لیے حیدری بیتاب

تبارک حسین بسمل

حمد

کہیں گے حشر میں ہم پیشِ خالقِ اکبر — جھکا کے اپنی جبیں لا الٰہ الا اللہ
کریں سوال نکیرین جو آکے تربت میں — زباں سے نکلے وہیں لا الٰہ الا اللہ

ریاض مٹیا برجی

چشمِ بینا تو ہوئی دیدۂ حیراں نہ ہوا — حسن بھی حسن ہے کوئی جو فروزاں نہ ہوا
شرر آہ میرا شوخیِ عنواں نہ ہوا — وہ بھی شعلہ ہے کوئی بڑھ کے جو رخشاں نہ ہوا

لمبو مٹیا برجی

وہ کہتے ہیں گھر ہے یہاں میرا مرگھٹ — چلے آتے ہیں سب یہیں مرنے والے
مجھے دیکھتے ہی وہ مجھ کو جھنجھلا کے بولے — نکل جا یہاں سے تو اے نوک والے

محمد شفیع احمد قمر

اس موڑ پہ ٹھیلے میں جو اک لاش پڑی ہے — بن جائے نہ جھگڑے کی بنا جاگتے رہنا
جھکادی اس نے نظر پائمال کر کے مجھے — جفا و جور سے آشفتہ جان کر کے مجھے

عزیز احمد عزیز

ٹھوکروں میں آگیا جتنا تھا فنِ آذری — اور سحر سامری کی زندگی ارزاں ہوئی
اب نہ گونجے گی یہاں پر کفر کے لاف و کواف — نخوت روم و عجم انجام پر گریاں ہوئی

دائم الایمان لکھنوی

شوقِ دیدار تو مشتاقوں کو بے حد ہے مگر — نظریں خیرہ ہوں اگر سامنے آجائے بہار
حسنِ یوسف سے حسیں تر کوئی مطلع دائم — آج ہے پھر سے جوانی پہ زلیخائے بہار

دلکش اعظمی

بے نیازانہ ادا سے اک سیمابی کرن — پاس سے گذری تو جسموں کو حرارت دے گئی

مغیث احمد قیصر پرویز

کنارے پر لگا تو لائے ہیں طوفاں سے کشتی کو
مگر ساحل پہ آ کر بھی یہ چکرائی تو کیا ہوگا

گل و لالہ تو ہیں وجہِ سکونِ دل مگر قیصر
ان ہی پھولوں سے پھر ہم نے چبھن پائی تو کیا ہوگا

بیتاب مٹیا برجی

خدا کی قدرت سے نورِ احمد وجودِ آدم میں چمکا اول
ابو البشر کو بحکمِ ربی کیا فرشتوں نے سجدہ اول

نہ حسنِ آدمؑ نہ حسنِ مریمؑ نہ حسنِ موسیٰؑ نہ حسنِ عیسیٰؑ
نہ حسنِ یوسفؑ ہی حسن میں ہے رسولِ اکرمؐ کے جیسا اول

مرزا آصف

راستے کے پتھروں سے لاکھ ٹکراتا ہے دل
نقشِ پا اس سنگ دل کا چومتا جاتا ہے دل

اظہار جعفری

زندگی بلبلا ہے پانی کا
پانیوں کی زباں میں رہتا ہوں

مثلِ کاغذ زمانے میں ہم ہوگئے
سارے انفاس ہم پر قلم ہوگئے

محمد خالد صدیقی

مجھے ہے ربطِ عرش سے اگرچہ خاکسار ہوں
جو لا مکاں کو چھو سکے وہ خاک کا غبار ہوں

اگرچہ میں سنبھل گیا، فضائے دہر میں یہاں
تو خالقِ وجود کا میں ایک شاہ کار ہوں

محمد اشراق غازی پوری

ساقیا تیری نگاہِ ناز کا ہے یہ کمال
باوضو رندوں کی محفل میں ہے پیمانہ تیرا

طمع وہ شئے ہے جو چاٹتی ہے شعورِ انساں کی پختگی کو
نہ لوگو کیسے وہ جانتا ہے جو اپنا سونا دکھا رہا ہے

مہتاب حسین مہتاب

تلاشِ حسن میں اس طرح ہم جناب چلے
بغل میں دابے ہوئے عشق کی کتاب چلے

ہزاروں خون کے ہیں داغ جن کے دامن پر
مرے گناہ کا وہ پوچھنے حساب چلے

☆☆☆

مٹیا برج کے ان ادباء و شعراء کے اسمائے گرامی جن کی سوانح اور کلام دستیاب نہیں ہو سکے۔

مرزا خورم بخت بہادر
مرزا عظیم الشان
نواب مجید الدولہ
حیدر نیشاپوری
کپتان مرزا علی مہدی علی خاں
مولوی محمد بخش شہید
آغا محمد حسین شکوہ
حسن جان ضیاء
نعمت مٹیا برجی
مرزا آغا منعم
مرزا محمد رضا خاں برق
محمد رضا طور
رفیق احمد روح
رشک مٹیا برجی
سید تفضل حسین فضل
شیدائی کانپوری

نواب یحییٰ علی خاں
نواب محمد متقی علی بہار
عظمت اللہ مرزا سلیمان قدر بہادر
مدار علی نقی خان بہادر وزیر
ثابت جنگ کنول
مرزا عتیق
مرزا محمد مقبول
علی حسین زائر
برق لکھنوی
مانوس الدولہ مانوس
امداد علی پاور
کامریڈ ذاکر حسین
اشک مونگیری
رنجور مٹیا برجی
سید ذکی شکر مٹیا برجی
مرزا ریاضت علی خاں جھل جھل

مولانا عبدالرزاق (ادیب)
مرزا رفیع الشان بہادر
دارا سطوت مرزا
مقبول الدولہ احسان الملک
امیر اللہ تسلیم
محمد عباس شاذ
شوق لکھنوی
محمد علی خاں فائز
مرزا عسکری ثریا
طاہر یوسف حسین مٹیا برجی
خولجہ وزیر
ڈاکٹر حکیم عابد علی عابد
رحیم اللہ تاج
خانم مٹیا برجی
شمیم فیض آبادی
میاں مشرا (ہزل گو)

وفا بارہ بنکوی
یعقوب رمز
ڈاکٹر ایوب صبر
ڈاکٹر کیف مٹیا برجی
ساحر مونگیری
حافظ عبدالغفار حافظ
قاسم شیدا
ظہیر ہاشمی
محمد اشرف علی قلق
مرزا محمد تقی مٹیا برجی
مشتاق احمد فیضی
مولانا مرزا الطاف حسین
شمیم فیض آبادی
شیدائی کانپوری
تفضل حسین جائی
غنیمت حسین آتش
مولوی سیّد علی تقی
جاہل مٹیا برجی
رسا مٹیا برجی
عنایت حسین عادل
رنجیت گنیش
شوکت علی سائل
اسلم برجونالوی
عبدالحمید خنجر
جانی بابو
شمس فیض آبادی
قاری شفیع الرحمٰن نجمی
فطرت عرفانی
حافظ محمد سلیم
واحد احمد وحید
منے آغا منعم
اسلم کرت پوری
عبداللہ سیدانی گھائل
عبدالغفار خنجر
سیّد علی محمد رنجور
استاد عبداللہ خاں محشر
شوق لکھنوی
ریاست علی خاں
عبدالرشید یاد
عاشق حسین مہمی
رحمت اللہ رحمت گونڈوی
عمر خلیفہ
خورشید اکرم
شکیل احمد شکیل
شمس الحق نظر
شبیر اختر
شکیلہ بانو صبا
شبیر احمد نظر
صوفی اقبال
صابر ندیم
صابر اعجاز
صابر صاحب
عیش مٹیا برجی
فاروق قیصر
مختار احمد فردین
قیصر زماں قیصر
مقصود عالم شبنم
محی الدین برق
معصومہ بیگم معصومہ
رئیس ترنم
مناف دلکش
میاں مشرا (ہزل گو)
محمد خاں یعقوب
معصوم علی ریاض
نشاط رحمانی
نعیم مٹیا برجی
فاطمہ منیر نیاز
مشتاق عاصی
سلیم خاں ہمراز
آفتاب سروش
غنی حیدر
عثمان غنی آزاد
مفید مٹیا برجی
حسن نقوی
سیّد علی کمیل مٹیا برجی
ذوالفقار ناصر
سہیل مٹیا برجی
اختر راہی
ابوالکلام ہمدم
شمیم اشرف
نظام صدیق
اختر مرزا
عبدالرشید گھائل
جمیل اختر اسد
دلاور خاں اعظمی
ساجد نواز
نظام اختر
عزیز قریشی
غلام شاہد
تاج محمد تاج
معصوم علی ہجر
عبدالاحد ناصر
صابر رضا شمسی
محمد اشرف صوفی

شاہ ظفر سے رابطہ قائم کیا۔ بادشاہ نے بھی ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ ان کی یقین دہانی کے بعد ملکہ اودھ نے انگریزوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اس جنگ میں بیگم حضرت محل نے انگریزوں کو شکست دے کر اودھ پر دوبارہ قبضہ کر کے حکومت کی تشکیل نئے انداز سے کی۔ شہزادہ برجیس قدر کو تخت کا وارث بنا کر عنان حکومت خود اپنے ہاتھ میں لے لی۔ برجیس قدر کی حکومت صرف نو مہینوں تک قائم رہی کیوں انگریز اپنی طاقت کو مستحکم کر کے دوبارہ اودھ کی سلطنت پر قابض ہو گئے۔ بیگم حضرت محل انگریزوں کے ساتھ سخت مقابلہ کرتے ہوئے جب پست ہو گئیں تو شہزادہ برجیس قدر کو اپنے ہمراہ لے کر چند نمک خواروں کے ساتھ نیپال چلی گئیں جہاں مہاراجہ نیپال نے بیگم حضرت محل اور شہزادہ برجیس قدر کو پناہ دی۔ جب انگریزوں نے اودھ کی سلطنت پر مکمل قبضہ کر لیا تو بادشاہ کو ۱۰ر جون ۱۸۵۹ء میں قید سے آزاد کر دیا۔ رہائی کے بعد بادشاہ مٹیا برج چلے آئے۔ ان دنوں مٹیا برج ایک ویران اور سنسان علاقہ تھا۔ یہاں کھلے میدانوں اور جنگلات کی کثرت تھی۔ اس وقت یہاں کی مجموعی آبادی ساٹھ ہزار تھی۔ مٹیا برج آنے کے بعد بادشاہ نے ۳۵ر محلات بنوائے۔ مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ امام باڑے تعمیر کرائے۔ مساجد اور کشادہ سڑکیں بنوائیں۔ عجائب گھر بنوایا۔ سندر بن اس علاقے کا نام مٹیا برج رکھا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ مکمل ٹاکیز سنیما کے قریب ایک خوبصورت عمارت قصر البقا کے نام سے تھی۔ وہاں مٹی کا ایک بڑا ٹیلہ تھا اور جس کی شکل پہاڑ کی چوٹی کی طرح تھی۔ اسی مناسبت سے واجد علی شاہ اختر نے اس خطے کا نام مٹیا برج رکھا۔ لکھنؤ کے اہلِ قلم کی آمد سے رفتہ رفتہ مٹیا برج لکھنوی تہذیب وتمدن کی آماجگاہ بن گیا۔ مٹیا برج میں واجد علی شاہ کی آمد کے بعد یہاں کی رونق اور چہل پہل کا ذکر کرتے ہوئے مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی لکھتے ہیں کہ :

> ''واجد علی شاہ کے دور میں مٹیا برج لکھنؤ بن گیا تھا۔ وہی لکھنؤ جیسی چہل پہل تھی۔ وہی رونق، وہی زبان، وہی شاعری تھی۔ وہی صحبتیں تھیں، وہیں کے امراء و رؤساء تھے اور وہیں کے عوام تھے۔ مٹیا برج کے دکان دار اور مہاجن تک لکھنؤ کے تھے اور لکھنؤ کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جو مکمل صورت میں مٹیا برج میں نہ ہو۔''

مٹیا برج کی مشہور ادبی، علمی، فلمی، سماجی، سیاسی، مذہبی اور اسپورٹس شخصیات

حضرت واجد علی شاہ اختر	بانی مٹیا برج
جنرل اسکندر علی مرزا صاحب	سابق صدر پاکستان
نواب پرنس انجم قدر صاحب	صدر آل انڈیا شیعہ کانفرنس
پرنس نیر قدر صاحب	پروفیسر یونیورسٹی کالج لندن یونیورسٹی
جناب کوکب قدر صاحب	صدر شعبۂ اردو فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
محترمہ شمسی جہاں بیگم	مالکہ وقف اسٹیٹ سلطان بازار موجودہ نام بنگالی بازار
جناب واشل ملا صاحب	بانی مٹیا برج ہائی اسکول
مرزا محمد بیگ صاحب	پرتھوی تھیٹر اور آر. کے. فلمز سے منسلک رہے ہیں
جناب مفتی صاحب	مفتی بنگالہ
جناب عبدالباری صاحب	سابق جج ہائی کورٹ
پیارے صاحب (مالک پی سن سینما)	برصغیر کے معروف کلاسیکل گلوکار
جانی صاحب	مشہور کلاسیکل گلوکار
استاد ولی اللہ خاں صاحب	مشہور ستار نواز
استاد نور اللہ خاں صاحب	مشہور ستار نواز
جناب نظیر احمد صاحب	سابق ڈسٹرکٹ جج، کھلنا، بنگلہ دیش
جناب محمد رفیق صاحب	مشرقی پاکستان کے وزیر تعلیم احمد حسین ایڈوکیٹ کے سکریٹری رہے سابق مجسٹریٹ، کھلنا، بنگلہ دیش
سلیم اللہ وہبی	

ڈاکٹر ایچ کیو حنان	ماسٹر آف سرجن
جناب نواب عالم صاحب	بنگالی بازار وقف اسٹیٹ کے موجودہ متولی
جناب ایس ایم عبداللہ	ایم ایل اے گارڈن ریچ اسمبلی حلقہ
جناب ایس اے فاروقی	ایم ایل اے ,,
شری ارون سین	ایم ایل اے ,,
جناب فضلِ عظیم ملا	ایم ایل اے ,,
شری چھیدی لال سنگھ	ایم ایل اے ,,
جناب محمد امین	ایم ایل اے ,,
ایچ ویلز ایم اے کنب	گارڈن ریچ میونسپلٹی کے پہلے چیئرمین (۱۹۳۵ء)
جناب انس الدولہ بہادر	چیئرمین ۱۹۳۹ء
ڈاکٹر عبدالخبیر صاحب	چیئرمین ۱۹۴۵ء
ایس ایم عبداللہ صاحب	چیئرمین ۱۹۴۵ء تا ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۷ء
جناب منشی رحمت اللہ صاحب	چیئرمین ۱۹۶۵ء
جناب عبدالمنان صاحب	چیئرمین ۱۹۷۱ء
شری دلیپ سین	چیئرمین کلکتہ میونسپل کارپوریشن (گارڈن ریچ یونٹ) ۱۹۸۱ء
جناب محی الدین شہزادہ	چیئرمین ۱۹۸۵ء
جناب سلطان حسین صاحب	چیئرمین ۱۹۸۹ء
جناب اقبال حسین غازی	چیئرمین ۱۹۹۵ء تا ۲۰۰۵ء
جناب عبدالعلی صاحب	ایم ایم آئی سی (کلکتہ میونسپل کارپوریشن)
جناب شمس الزماں انصاری	ایم ایم آئی سی (,,)
جناب معین الحق چودھری	ایم ایم آئی سی (,,)
جناب وجیہ الدین صاحب	سابق پروفیسر، پریسیڈنسی کالج، کلکتہ

ڈاکٹر عبدالرؤف صاحب	سابق پروفیسر، کلکتہ یونیورسٹی
ڈاکٹر شمیم انور صاحب	پروفیسر کلکتہ یونیورسٹی
ڈاکٹر ساجدہ بانو صاحبہ	پروفیسر بھوانی پور کالج
جناب محمد نظام شمیم صاحب	آئی پی ایس آفیسر
کامریڈ ذاکر حسین صاحب	علمی وسماجی خدمت گار، بانی آل انڈیا بیڑی مزدور یونین
جناب مظہر انصاری صاحب	علمی، ادبی وسماجی خدمت گار
مولانا قاسم علوی	بانی بزمِ رضائے مصطفےٰ
جناب حافظ امجد صاحب	معروف حافظ وقاری
جناب فضل الرحمٰن صاحب	۴۵ ربرسوں تک ہندستانی لائبریری کے سکریٹری رہے
جناب محمد محب صاحب	ڈائرکٹر فلم ''نسبت'' (کلکتہ) ''ستاروں سے آگے'' (کراچی)
حضرت مولانا مصباح الدینؒ صاحب	پیر طریقت
نواب ہمایوں مرزا صاحب	ورلڈ بینک کے بورڈ آف ڈائرکٹرس میں تھے۔
مولانا غلام السیدین نجفی صاحب	ممبر اہل الحیات ورلڈ اسمبلی (ایران)
جناب شکیل انصاری	بین الاقوامی شہرت یافتہ اسٹیج آرٹسٹ
ڈاکٹر الف انصاری	محمڈن کلب کلکتہ میں کھیلنے والے میابرج کے پہلے فٹ بالر
اسلم پرویز صاحب	محمڈن کلب کلکتہ کے سابق فٹ بالر اور کپتان
جناب مظہر حسین	اسٹیل فوٹوگرافر فلم ''پاکیزہ'' اور ''رضیہ سلطان''
محمد مسلم کنٹراکٹر	سکریٹری مولانا آزاد گرلس ہائی اسکول
غلام حسین غازی	جسمانی ورزش میں ''مسٹر بنگال'' کا خطاب ملا۔
حضرت بدرالدین شاہؒ	آپ کے نام سے میابرج کا علاقہ ''بدرتلہ'' منسوب ہے۔
عبدالرشید زردہ والے	بانی ہندستانی لائبریری
جناب سخاوت حسین پتنگ والے	میابرج میں عید میلادالنبیؐ کی محفل کے بانی ۱۹۳۲ء

چنن استاد	ماہر پتنگ باز، دہلی میں ایس بی چوہان نے ایوارڈ سے نوازا
شری مانک لال منا	مشہور اسپورٹس شخصیت
جناب محمد سعید آرٹسٹ	مشہور آرٹسٹ
جناب شیراز حسین شیراز	المونیم پلیٹ پر مکمل قرآن کندہ کیا
جناب محمد شفیع اللہ شاہد	بیباک مقرر
جناب بابو قوال	بلبلِ بنگال
جناب امیر قوال	شیرِ بنگال (عوامی خطاب)
یونس پرویز صاحب	مشہور گلوکار
مہتاب حسین صاحب	مشہور گلوکار (کلاکار ایوارڈ یافتہ برائے ۲۰۰۴ء)
قادر پرویز صاحب	مشہور گلوکار
جناب عین الحق جھنکار	مشہور گلوکار
شری ہری موہن گھوش	مشہور علمی خدمت گار
جناب عبدالرشید صاحب	مشہور علمی و سماجی خدمت گار۔ (مولانا آزاد گرلس ہائی اسکول کے پہلے سکریٹری)
شری نٹ بہاری داس	مشہور علمی خدمت گار
جناب محمد طاہر صاحب	علمی و سماجی کارکن
جناب عبدالرحمٰن صاحب	علمی و سماجی کارکن
جناب حاجی رئیس	علمی خدمت گار
جناب حاجی محمد الیاس صاحب	علمی و سماجی کارکن
جناب شوکت علی انصاری	علمی و سماجی خدمت گار
جناب الحاج ناظم الدین انصاری	علمی و سماجی خدمت گار
جناب سیّد غلام معین الدین	علمی و سماجی کارکن
جناب کامریڈ محمد اسمٰعیل صاحب	علمی و سماجی خدمتگار

جناب محمد مسلم ماسٹر صاحب	علمی وسماجی کارکن
ڈاکٹر انجلی رائے چودھری	علمی وسماجی خدمت گار
محمد امین انصاری	سکریٹری، مٹیا برج ہائی اسکول، سماجی کارکن
جناب محمد رفیق منشی صاحب	علمی وسماجی خدمت گار
جناب محمد یٰسین قریشی صاحب	علمی وسماجی خدمت گار
جناب کامریڈ نصر اللہ صاحب	سماجی کارکن
ماسٹر دلاور حسین صاحب	علمی خدمت گار
جناب امتیاز خاں	ٹی وی اور بنگلہ فلم آرٹسٹ
جناب عزیز الحسنین ہاشمی صاحب	علمی خدمت گار
جناب ڈاکٹر ایوب صاحب	علمی وسماجی خدمت گار
جناب جمال احمد محشر صاحب	علمی وسماجی خدمت گار
جناب عبدالخلاق صاحب	علمی خدمت گار
جناب محمد جہانگیر عرف مغل صاحب	سابق سکریٹری (آئی این ٹی یو سی)
جناب محمد اسلم انصاری ایڈوکیٹ	صدر مومن کانفرنس ساؤتھ چوبیس پرگنہ (مغربی بنگال)
جناب جاوید نسیم صاحب	ٹی وی آرٹسٹ
جناب محمد کمال الدین ایڈوکیٹ	سماجی کارکن
جناب محمد رفیق انصاری صاحب	سکریٹری مومن کانفرنس ساؤتھ چوبیس پرگنہ
جناب نوشاد عالم صاحب	ڈائرکٹر، ڈراما گروپ ''عکس'' کلکتہ
جناب ابوبکر صاحب	علمی خدمت گار
جناب حبیب اختر صاحب	علمی وسماجی خدمت گار
محمد صادق کشفی	مساجد، پینٹنگس اور عظیم رہنماؤں کے یادگار ٹکٹ کلیکشن کے شائق۔ آئرلینڈ سے ۹۲-۱۹۹۱ء میں Best انعام سے سرفراز کیا گیا۔

Educational & Social Organisations of Garden Reach

Sl.	Name of the NGO	Secretary
1.	Garden Reach Aggrandize Comprehensive	MD. Nasim
2.	G. R. Kasab Para Social Welfare Association	Waqar Azam Ansari
3.	Garden Reach Slum Development	Mahtab Alam
4.	G. R. Bangla Bustee Academic Development Society	Shahnawaz Ansari
5.	Evergreen Welfare Society	Dr. Abdul Waris Ali
6.	Garden Reach R. N. L. Force	Naushad Alam

Educational Institutes

Sl.	Name of the institute	Estd.
1.	Hari Mohan Ghosh College	1964
2.	Matia Burz Higher Secondary School	1924
3.	Bengali Bazar High School	1936
4.	Kesho Ram Cotton Mills High School	1948
5.	Nut Behari Das High School	1948
6.	Moulana Azad Girls Higher Secondary School	1963
7.	Dhan Khety High School	1978
8.	Moulana Md. Ali Jouhar Girls Jr. High School	1990
9.	Moulana Hasrat Mohani Girls High School	2001
10.	Garden Reach Mudialy High School	1956
11.	Judge Abdul Bari Girls Junior High School	2000
12.	Nadyal Ucho Prathomik Vidyalay	1910
13.	Badar Talla High School	1955
14.	Hindi Nagri Parcharak Vidyalay High School	1953
15.	Garden Reach Madhyamik Vidyalay	1980
16.	Kachari Bari Madhyamik Vidya Mandir Girls. H. S.	1968
17.	Mudialy Library	1876
18.	Hindustani Library (Secretary : Md. Iqbal)	1939

☆☆☆

کتابیات

۱	واجد علی شاہ اور ان کا عہد	از رئیس احمد جعفری کتاب منزل، یونائیٹڈ انڈیا پریس، لکھنؤ
۲	سلطانِ عالم واجد علی شاہ	سیّد مسعود حسن رضوی مطبع سلطانی کلکتہ ۱۲۹۰ھ
۳	واجد علی شاہ کا دورِ مٹیا برج	ڈاکٹر زہرا ممتاز اشاعت ۱۹۹۳ء
۴	گذشتہ لکھنؤ	عبدالحلیم شرر ناشر یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ
۵	تاریخِ ادب اردو	رام بابو سکسینہ ناشر منشی تیج کمار لکھنؤ مطبوعہ ۱۹۶۹ء
۶	لکھنؤ کا دبستانِ شاعری	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اشاعت ۱۹۶۵ء
۷	بیسویں صدی میں مغربی بنگال کے اردو شعراء	مشتاق احمد ناشر اقبال اینڈ برادرس کلکتہ اشاعت ۱۹۷۴ء
۸	مغربی بنگال میں اردو غزل آزادی کے بعد	ناشر و مصنف ڈاکٹر جاوید ارشد چودھری اشاعت ۱۹۹۷ء
۹	اذہان	ایم. کے. اثر اشاعت ۱۹۸۲ء
۱۰	مجلّہ ہندستانی لائبریری گولڈن جبلی نمبر	مرتب ظفر العالم خطری / ڈاکٹر شمیم انور اشاعت ۱۹۸۹ء
۱۱	واجد علی شاہ کی ادبی و ثقافتی خدمات	کوکب قدر سجاد علی میرزا اشاعت ۱۹۹۵ء
۱۲	عبدالحلیم شرر	جعفر رضا دوسرا ایڈیشن ساہتیہ اکادمی ۲۰۰۲ء
۱۳	انتخاب واجد علی شاہ اختر	کوکب قدر سجاد علی میرزا اشاعت ۱۹۸۴ء ناشر یوپی اردو اکادمی لکھنؤ

Bio-Data

Name : Ishtiaque Ahmed

Pen Name : Alif Ansari

Parents : Lt. Abdur Rahman Ansari, Amna Khatoon

Date of birth and place : 16-01-1046, Manik Talla, Kolkata

Qualification : M. A. Ph. D. (Kol)

Profession : Teaching (Secondary School)

Hobbies : Sports, Tour, Social Work, Reading, Writing

Ex-Footballer : Mohammedan Sporting Club, Calcutta
Participated in First Division Calcutta Football League

Ex-Editor : Adab Aur Sports - (Monthly)
Naqsh-e-Hayat - (Fortnightly)
Mehfil - (Monthly)

Post & Designations :

Ex President : Adbi Sangam and Adara Qalamkar (Lit. Org.)

Ex-Org. Sec. : Garden Reach Peace Committee

Founder & Secretary : Metia Bruj Urdu Writers Association

Founder : Kasai Para Peace Committee

Ex-President and Secretary : Educational, Literary and Social Organisation.

Vice President : Dist South 24 Parganas Momin Conference W. B.

N. C. E. R. T. : Attended Fresher Course in Urdu at N. C. E. R. T. (Aligarh Muslim University in 1992)

Articles Broadcast : All India Radio Calcutta

Prashna Mancha Programm : Participate in Delhi Door Darshan

Felicitation & Awards : (1) Bharat Seva Trust Award
for Teachers (Delhi) Medals
and certificates from different organisation.

(2) Muslim Institute, Calcutta, presented a momento on the occasion of its 100 years celebration of Institute for progress and contribution in Urdu Language.

Creative Works : (a) Seh Rang .....Awarded W. B. Urdu Academy

(b) Syed Abdur Rahim ,, ,, ,, ,,
Hindustani Football
Ka Masiha

(c) Sports Ki Duniya ,, ,, ,, ,,

(d) Shairat-e-Bangala ,, ,, ,, ,,

(e) Filmi Malumat

(f) Dabistan-e-Matia Burj ki Adbi Khidmat

Forthcoming Books :

(a) Shora-e-Bangala

(b) Nagma-e-Hayat

(c) Khwatin Ki Urdu Khidmaat

(d) Ahl-e-Europe Ki Urdu Khidmat

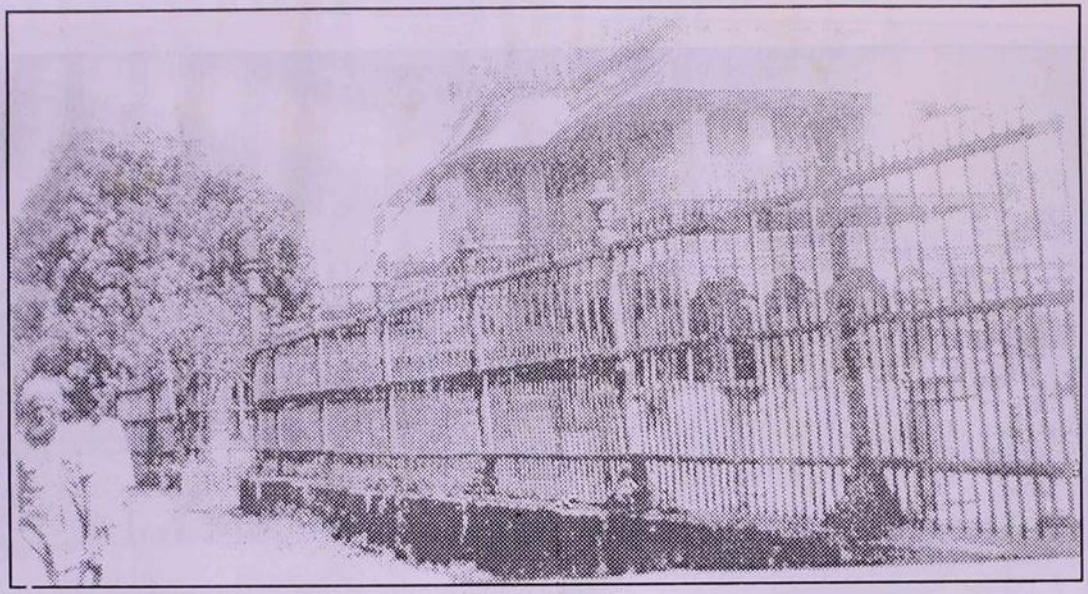

مٹیا برج میں دریا کے کنارے مہاراجہ بردوان کی کوٹھی جو واجد علی شاہ کے ۱۸۵۶ء میں وہاں سکونت اختیار کرنے کے بعد سلطان خانہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کے جنگلے کے شاندار پھاٹک سے اس کے پہلو کا راستہ آئرن گیٹ کہلاتا ہے۔

سلطان خانہ کے عقبی اور مشرقی (پوربی) اطراف میں جس مشرقی انداز کی توسیع ہوئی اس کی جھلکیاں ان تصویروں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

واجد علی شاہ سیکولرزم کے زبردست علمبردار تھے۔ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی اور دیگر قوموں کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے اور تمام مذاہب کا احترام کرتے تھے۔ مسلمانوں کے دو فرقے شیعہ اور سنّی کے درمیان اتحاد اور اخوت کا پیغام دینے کے لئے انھوں نے تحریک اتحاد بین المسلمین کی داغ بیل ڈالی۔ بادشاہ فرمایا کرتے تھے کہ شیعہ اور سنّی میری دو آنکھیں ہیں۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ یہ دنوں فرقے چھوٹے چھوٹے مسلکی اختلافات کو بھلا کر آپس میں پیار محبت کے ساتھ رہیں۔ جس طرح دونوں فرقوں کے اتحاد سے اودھ گہوارۂ امن بن گیا تھا۔

ڈاکٹر خلیل احمد خاں اپنے مضمون ''آخری تاجدارِ اودھ بادشاہ واجد علی شاہ'' میں بادشاہ کے شوق، ان کے کردار اور ان کی دیگر خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''واجد علی شاہ اختر پیدائشی شاعر اور خوبصورتی کا دلدادہ تھا۔ اس نے اپنی فوج کے دستوں کے اس طرح نام رکھے۔ بانکا، ترچھا، اختری، سلطان، غازی، منصوری، غضنفری، حسینی، حیدری، شاہدی اور دکنی وغیرہ۔ اس کی ایک رجمنٹ میں صرف تیلگو سپاہی تھے اس کا نام ''گھنگھور'' رکھا تھا۔ فوج کے دوسرے دستوں کے نام خاص دل، جاں نثار، فتح مبارک، گلاب اور ظفر وغیرہ رکھے تھے۔

عورتوں کا بھی ایک دستہ تھا جن کو روزانہ فوجی تربیت دی جاتی تھی اور روزانہ پریڈ کرائی جاتی تھی۔ یہاں حبشی گوریلا دستہ قابلِ ذکر ہے۔ پریڈ سورج طلوع ہوتے ہی شروع ہو جاتی تھی اور شہر کے باشندے پریڈ دیکھنے کے لئے دریا کے کنارے اکٹھا ہو جاتے تھے۔ پریڈ کیا تھی پریوں کی کہانی کا سلسلہ دکھائی دیتی تھی۔ ندی کے کنارے آصفی امام باڑہ کی مسجد میں اذان ''اللہ اکبر'' گونجتی تھی اور بادشاہ واجد علی شاہ فجر کی نماز پڑھ رہے ہوتے۔ مسجد کے باہر شاہ کا کالا گھوڑا، چاندی کے زیورات سے آراستہ کھڑا ہوتا اور زرّیں جھنڈا لہراتا ہوا اس کا انتظار فوج کے معائنہ کے لئے کر رہا ہوتا۔ دریائے گومتی میں چھوٹی ناویں مچھلیوں کے شکار کے لئے تیر رہی

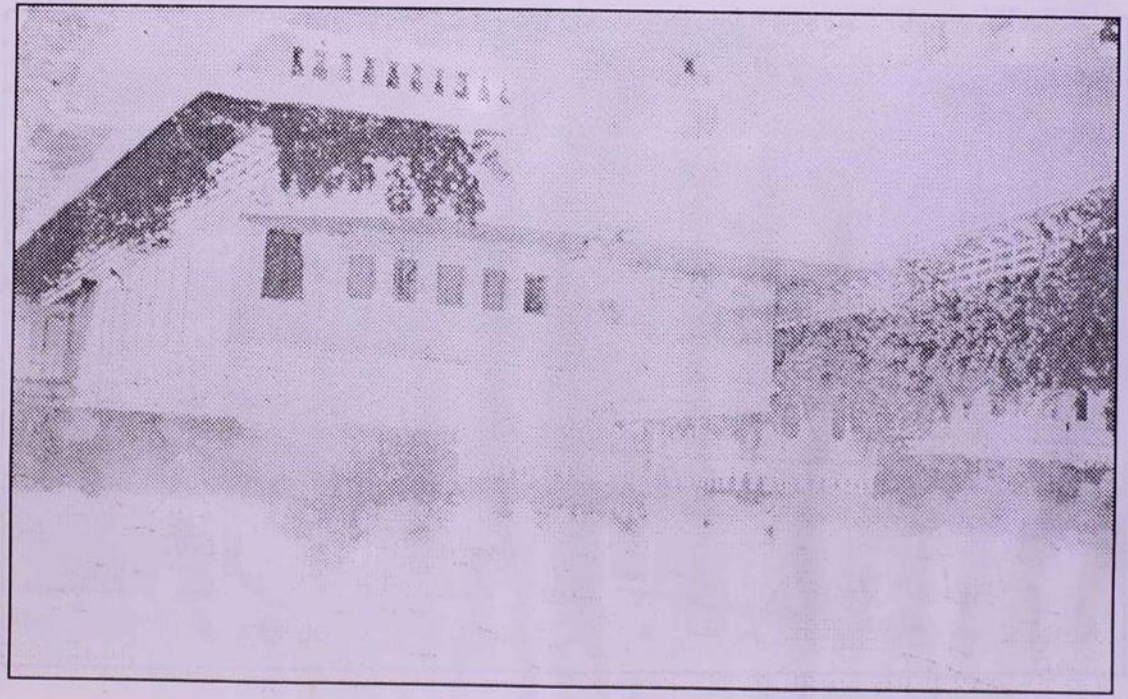

رام نگر موڑ، ٹمیا برج کا سرحدی علاقہ ہے جہاں کلکتہ میونسپل کارپوریشن کا Borough-XV کا دفتر واقع ہے۔ کارپوریشن کے عقب میں صابن بنانے کا کارخانہ ''ہندستان لیور لمیٹڈ'' ہے۔

مٹیابرج کا مرکز کچی سڑک جہاں ادبی، علمی، سماجی، ثقافتی، سیاسی اور مذہبی جلسے جلوسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

مٹیا برج کا واحد کالج ' ہری موہن گھوش کالج

بنگالی بازار ہائی اسکول جو محلہ قصاب پاڑہ میں واقع ہے۔

مٹیابرج کا دریا گھاٹ (بچالی گھاٹ) کا منظر۔ دریائے ہگلی مٹیابرج اور ہوڑہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ دریا کے اس پار ایشیا کا مشہور ''بوٹانیکل گارڈن'' واقع ہے۔

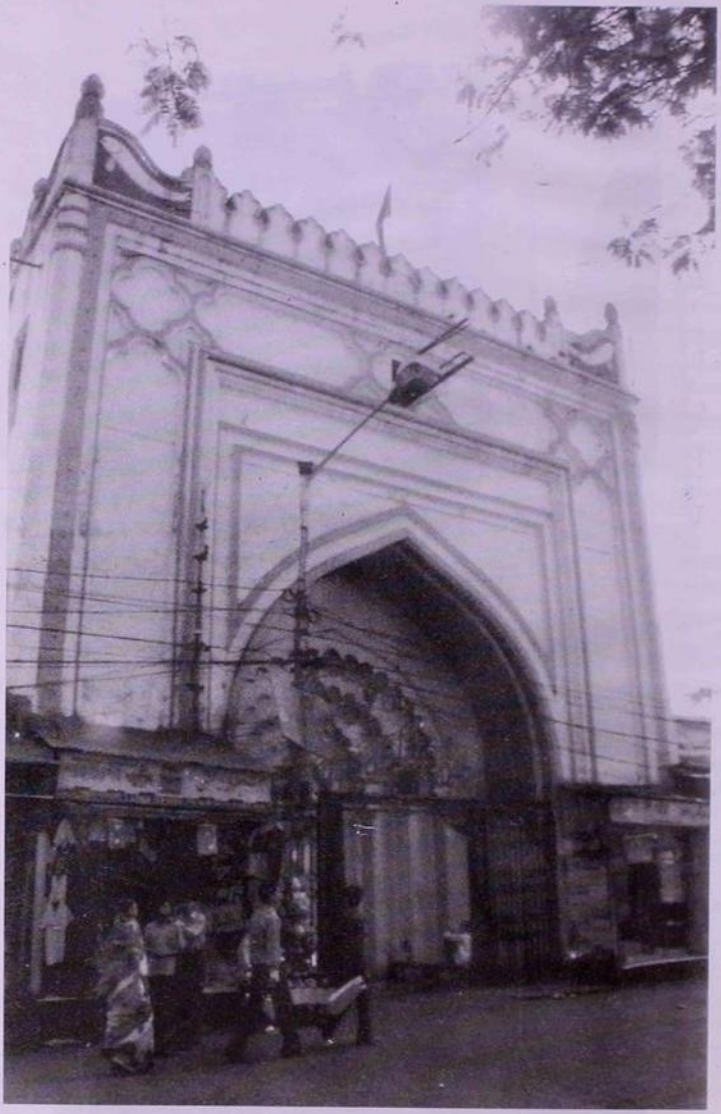

واجد علی شاہ اختؔر کی تعمیر کی ہوئی مشہور یادگار سبطین آباد امام باڑہ
جس میں واجد علی شاہ کا مقبرہ ہے۔ زیارت کے لئے
بیرونِ بنگال سے زائرین تشریف لاتے رہتے ہیں۔

ہوتیں ۔ بادشاہ خوبصورت لباس میں سپاہیوں کے ساتھ مچھلیاں پکڑتا تھا۔محل میں واپسی سے پہلے کچھ گھوڑوں پر محل سے ایک وزنی چاندی کا بکس لایا جاتا اور اس کو کھلے میدان میں رکھا جاتا ۔ اس صندوق میں رعایا کی شکایتوں کی پرچیاں اور التجا کی درخواستیں پڑی ہوتی تھیں ۔اس کی کنجی صرف بادشاہ کے پاس ہوتی تھی ۔ یہ رعایا کے ساتھ انصاف پسندی کی بہترین مثال تھی ۔اس طرح واجد علی شاہ اپنی رعایا میں ہر دل عزیز ہو گئے تھے ۔''

(ماہنامہ گل کدہ، بدایون، مدیر: ڈاکٹر جلیس سیوانی، شمارہ نمبر ۴-۶، ۲۰۰۲ء، ص نمبر ۳۱)

واجد علی شاہ اختر کو عمارت سازی کا بھی بے حد شوق تھا۔آپ نے نئی نئی عمارتیں تعمیر کرائیں ۔آپ نے صرف فوجی دستوں کے نام نہیں رکھے بلکہ ہر نئی عمارت کو ایک خوبصورت نام دیا۔ان کی عمارت سازی کا ذکر مولانا حلیم شرر لکھنوی نے اپنی کتاب ''گذشتہ لکھنؤ'' میں کیا ہے جو آپ کا چشم دید بیان ہے۔

''سلطان خانہ کے گرد بیسوں محل سرائے ،نئی کوٹھیاں اور ان میں محل سرائیں بنوائیں تھیں گورنمنٹ سے صرف ''سلطان خانہ، اسد منزل'' اور ''مرصع منزل'' ملی تھیں مگر بادشاہ کے شوق نے چند ہی روز میں بیسوں کوٹھیاں تعمیر کر دیں جن کے گرد نہایت ہی پُر فضا باغ اور فرحت بخش چمن تھے ۔جس وقت میں نے دیکھا بادشاہ کے قبضہ میں مندرجہ ذیل عالی شان کوٹھیاں تھیں جو جنوب سے شمال تک ترتیب وار چلی گئی تھیں ۔ نیز باغوں کے اندر تالابوں کے کنارے ،بہت سے کمرے ، بنگلے وغیرہ میں صاف و شفاف فرش بچھا رہتا تھا ۔ چاندی کے پلنگ ، بچھونے اور تکیوں سے مکمل رہے ۔ کوٹھیوں کے گرد باغ اور چمن ہندسی ترتیبوں اور اقلیدس کی شکلوں کے مطابق بنائے گئے تھے ۔ بادشاہ نے مُیابرج میں نفیس اور اعلیٰ عمارتوں کا ایک خوبصورت شہر بسا دیا تھا ۔ان عمارتوں کے گرد بلند دیواروں کا احاطہ تھا ۔ عالی شان عمارتوں میں چند کے نام اس طرح ہیں ۔سلطان خانہ، قصر البقا، گوشۂ سلطانی ،شہنشاہ منزل ،مرصع منزل ،

نیا برج پولیس اسٹیشن۔ تھانے سے دایاں راستہ برجونالہ اور بایاں راستہ اکڑا پھانک تک جاتا ہے جہاں حضرت شاہ ستو پیر بابا شیخ۔ شیخ الاسلام کا مزار شریف ہے۔

مولانا محمد علی جوہر گرلس ہائی اسکول۔ یہ اسکول ایس۔اے۔فاروقی روڈ نزد لال مسجد واقع ہے۔

ٹیا برج ہائر سکنڈری اسکول۔ تصویر میں اسکول کی عمارت اور میدان دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ ٹیا برج کا تاریخی اور واحد فٹ بال اور کرکٹ کا میدان ہے جہاں ہندستان کے عظیم کھلاڑیوں نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا ہے۔

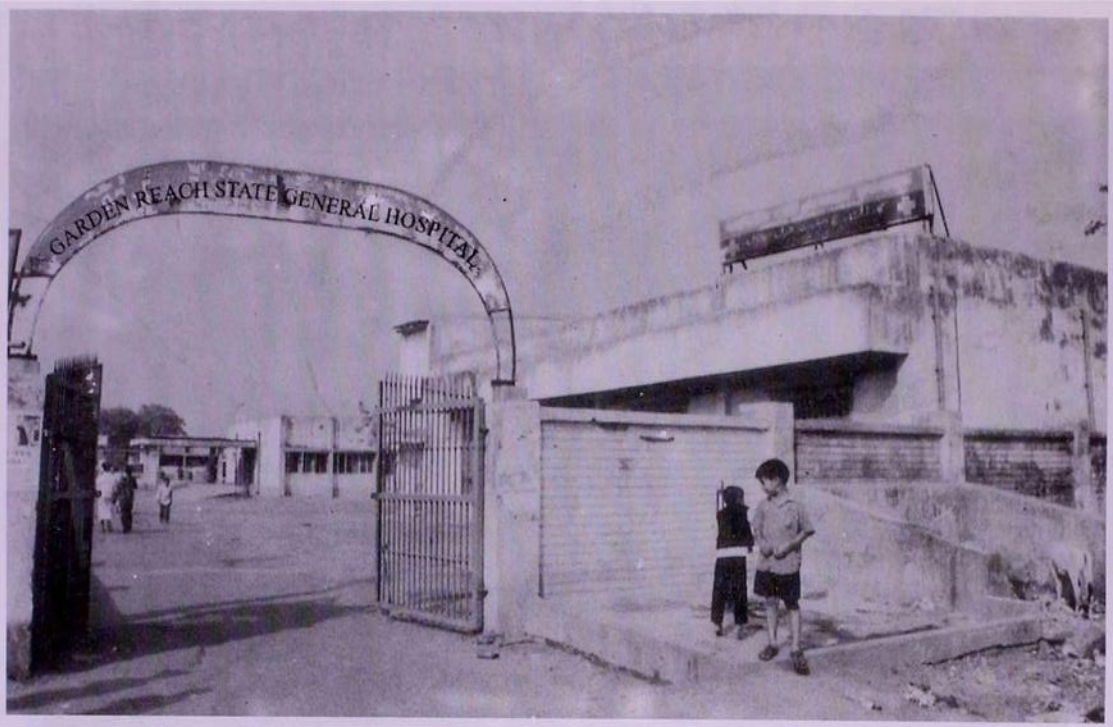

گارڈن ریچ اسٹیٹ جنرل اسپتال، جو بر جونالہ میں دریائے ہگلی کے کنارے واقع ہے۔

PMAK

Dabistan-e-Matia Burj Ki Adbi Khidmaat

ڈاکٹر الف. انصاری کی تصنیفات

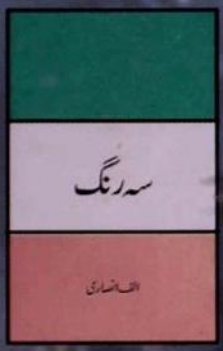

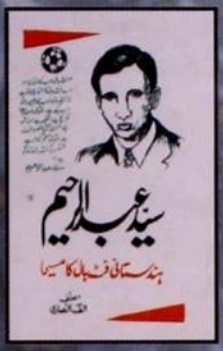

Shab Noor Publication

1-24/A, Qasab Para,
Nawab Wajid Ali Shah Rd., Kolkata-700024

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

کتاب : دبستانِ مٹیا برج کی ادبی خدمات

مصنف : ڈاکٹر الف. انصاری

تعداد : ۵۰۰

صفحات : ۱۹۲

طبعِ اول : ۲۰۰۵ء

قیمت : ۱۴۰/روپے

کمپوزنگ : محمد شاہد اقبال Mob. 98302 18270

سرورق : آصف حسین Mob. 93397 11599

مطبع : ایکمی گرافکس 9- سری ناتھ بابو لین، کلکتہ-700 073 فون : 22346558

ناشر : شب نور پبلی کیشنز

I-24/A، قصاب پاڑہ، واجد علی شاہ روڈ، کلکتہ-700024

مصنف کا پتہ: I-24/A، قصاب پاڑہ، واجد علی شاہ روڈ، کلکتہ 700024

اسد منزل، شاہ منزل، نور منزل، تفریح بخش، بادانی، آسمانی، تہنیت منزل، حد سلطانی، مسندِ سلطانی، عدالت منزل وغیرہ۔ شاہراہِ عام کے دونوں کنارے ایک میل تک شاندار دکانیں تھیں۔ خاص سلطان خانے کے گیٹ پر عالی شان نوبت خانہ تھا۔ نقارچی نوبت بجاتے اور پرانے پہروں اور گھڑیوں کے حساب سے شب و روز گھڑیال بجا کرتا۔ عمارت سازی کے میدان میں مغل شہنشاہ کے بعد اس بارہ خاص میں کسی کا نام لیا جاسکتا ہے تو وہ ستم زدہ بادشاہِ اودھ واجد علی شاہ کا نام ہے۔''

(گذشتہ لکھنؤ: عبدالحلیم شرر، ص ۷۹)

بادشاہ کی خوبصورت عمارتوں کی نگرانی مونس الدولہ اور ریحان الدولہ کے ذمہ تھی جنھیں ہر ماہ ۵ر ہزار روپے تنخواہ ملتی تھی۔ ایک ہزار پہرے دار سپاہی تھے۔ ایک سپاہی کی تنخواہ چھ سو روپے تھی۔ اسی طرح عمارتوں اور مکانوں کی رکھوالی کرنے والوں کی تعداد پانچ سو تھی۔ ہر ایک ملازم کی تنخواہ چھ سو روپے تھی۔ دربار میں اسّی محرر تھے۔ فی محرر کی تنخواہ دس روپے سے تیس روپے تک تھی۔ دربار کے معزز مصاحبوں اور اعلیٰ عہدے داروں کی تعداد پچاس تھی۔ ہر ایک کو اسّی روپے ہر ماہ تنخواہ ملتی تھی۔ عبدالحلیم شرر نے بادشاہ کا آخری دور دیکھا تھا۔ انھوں نے اپنے مضمون ''بنگالے کا لکھنؤ'' میں بادشاہ کے عجائب خانہ کی سچی تصویر پیش کی ہے۔ آیئے آج سے ڈیڑھ سو سال قبل کے مٹیا برج کے عجائب گھر کی سیر کریں۔

''نور منزل کے سامنے خوش نما آہنی کٹہرے سے گھرے ایک وسیع رمنا (سبزہ زار-مرغ زار) تھا جس میں سینکڑوں قسم کے جانور اور چرند و پرند جیسے چیتل، ہرن اور قسم قسم کے جانور موجود تھے۔ راستوں کے درمیان سنگِ مرمر سے تیار کیا گیا ایک خوبصوت تالاب تھا جو ہر وقت ملبّ رہتا تھا۔ اس میں شتر مرغ، فیل مرغ، قازیں، بگلے، قرقرے، ہنس، مور، چکور اور سینکڑوں قسم کے طیور اور پھوے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ مختلف جگہ حوضوں میں مچھلیاں پالی گئی تھیں۔ شہنشاہ منزل کے سامنے ایک بڑے اور گہرے حوض کو چکنا کر کے اس کے بیچ ایک مصنوعی پہاڑ بنایا گیا تھا۔

پہاڑ کو کاٹ کر پانی کا چشمہ بھی بنایا گیا تھا۔ اس میں دو دو تین تین گز کے لمبے سانپ چھوڑ دیئے گئے تھے۔ بیسوں بڑے ہال تھے۔ یہ گنج کہلاتے تھے۔ اس میں مختلف اقسام کے طیور چھوڑ دیئے تھے۔ ایسا مکمل زندہ عجائب خانہ روئے زمین پر کہیں موجود نہیں تھا۔ افریقہ کا مشہور زرافہ کا بھی ایک جوڑا تھا۔ دو کوہان کے بغدادی اونٹ عجائب خانے میں موجود تھے۔ نیچرل ہسٹری میوزیم میں ایک ہاتھی اور دو گدھے بھی چھوڑ دیئے گئے تھے۔ درندوں میں دیسی شیر، چیتے، تیندوے، ریچھ، سیاہ گوش، چراغ، بھیڑیئے سب کے سب کٹہروں میں موجود تھے۔ بادشاہ کی مختلف کوٹھیوں میں تقریباً چوبیس ہزار کبوتر جنھیں اڑانے میں کبوتر باز بڑے کمالات دکھاتے تھے۔ ایک ہزار سپاہی، پانچ سو مالی، اسّی اہلِ قلم محرر، پچاس اعلیٰ عہدے دار، سوسے زائد کہار تھے۔''

عجائب گھر کے جانور، چرندو پرند کا حال پڑھنے کے بعد بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بادشاہ کو مختلف اقسام کے جانوروں، چرندوں اور پرندوں کے غول کو جمع کرنے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ آپ کا عجائب خانہ ایسا بے مثال تھا کہ بیرونی ممالک کے سیاح بھی اس کی سیر کو آیا کرتے تھے اور بادشاہ کے شوق کی داد دیتے تھے۔ عجائب گھر کے لئے نادر اور نایاب جانور فراہم کرنے والے کو بادشاہ منھ مانگی قیمت دیتے تھے۔ انھوں نے ریشم کے پر والے کبوتر کا ایک جوڑا بیس ہزار روپے اور سفید مور کا جوڑا گیارہ ہزار روپے میں حاصل کیا تھا۔ بادشاہ کے اس عجیب وغریب چڑیا گھر کو دیکھ کر سیاحوں کو حیرت ہوتی تھی کہ اس عجائب گھر میں جتنے نادر و نایاب چرندو پرند ہیں، دنیا کے کسی بھی عجائب گھر میں نہیں ملتے۔ سیاح ان جانوروں کی تصویریں لیتے اور ان کی کیفیات اور حالات قلمبند کرتے۔

واجد علی شاہ اختر نہ صرف ایک حکمراں تھے بلکہ عمارت ساز، انواع اقسام کے جانوروں کے شوقین، ماہرِ فنونِ لطیفہ، رقص و موسیقی کے رسیا، راگنی کے شیدائی، ڈراما نویس، اتحاد کے علمبردار، اردو اور فارسی زبانوں کے عالم، عروض داں اور شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق کے ساتھ ایک اعلیٰ پائے کے نثر نگار اور قادر الکلام شاعر تھے۔ عالموں، ادیبوں اور شاعروں

کے قدر دان بھی تھے ۔ بادشاہ کے دربار میں مشاعروں کی محفلیں سجا کرتی تھیں جن میں مقامی اور مرکزی کلکتہ کے شعرا شریک ہوا کرتے تھے ۔ واجد علی شاہ نے اپنے دربار کے بہت سے باکمال شعراء و شاعرات کو ان کی اہلیت اور صلاحیت کے مطابق مختلف خطابات سے نوازا تھا ۔ بادشاہ نے اپنے دربار کے شاعر اور قلمی استاد مرزا محمد رضا خان برق کو فتح الدولہ بخشئی الملک، سیّد علی جان درخشاں کو مہتاب الدولہ کوکب الملک، ستارہ جنگ صولت کو مالک الدولہ، قلق کو آفتاب الدولہ، اسیر کو تدبیر الدولہ، وزیر مملکت اور نظم طباطبائی کو نواب حیدر یار جنگ بہادر جیسے اعلیٰ خطابات سے سرفراز کیا تھا۔

واجد علی شاہ اختر اپنے دربار کے سات عظیم شعراء برقؔ، درخشاںؔ، صولتؔ، بہارؔ، اشکؔ، عیش اور ہنرؔ کو ''سبعہ سیارہ'' کہا کرتے تھے ۔ انھوں نے اپنی بیگمات جو شاعرہ بھی تھیں، چند کو ان کی خوبیوں اور صلاحیتوں کے اعتراف میں مختلف خطابات سے نوازا۔ اپنی پہلی بیگم عالم آراء بیگم عالمؔ کو ''نواب صدر محل''، حیدری بیگم قمرؔ کو ''ماہ طلعت''، رشک محل بیگم کو ''رشک محل''، سلطنت جہاں بیگم کو ''محبوب محل'' نواب صدر کو صدر محل اور افتخار النساء بیگم کو ''حضرت محل'' جیسے خطابات عطا کئے ۔ واجد علی شاہ اخترؔ کے عہد میں جو شعراء اپنے شعر و سخن سے مٹیا برج کو رونق بخش رہے تھے ان میں امداد علی یاورؔ، صادق علی مائلؔ، آغا جو شرفؔ، مرزا جہاں قدر نیر، آسمان جاہ انجمؔ، حامد علی مرزا کوکبؔ، محمد عباس علی شاذؔ، نواب مجید اللہ، عظمت اللہ، مرزا سلیمان قدر بہادر، دارا سطوتؔ، مرزا حیدر نیشاپوری، مدار الدولہ نقی خاں بہادر، آغا محمد حسین شکوہ، حسن جان ضیاء، مرزا علی حسین زائرؔ، امیر اللہ تسلیم، مولوی محمد بخش شہیدؔ، مرزا خورم بخت بہادر، نواب یحییٰ علی خاں، مرزا عظیم الشان، نواب محمد تقی علی بہادر، مرزا رفیع الشاد بہادر وزیرؔ، مرزا عتیقؔ، فتح الدولہ برقؔ، منظور علی ہنرؔ، میر عنایت حسین عادلؔ، محمد علی خاں فائزؔ، آغا علی قدسی، باقر علی خاں، مقبول الدولہ احسان الملک، کپتان مرزا مہدی علی خاں، ثابت جنگ کنول، مرزا محمد مقبولؔ، مرزا محمد رضا طورؔ، میر دوست علی خلیل، آفتاب الدولہ قلقؔ، مرزا آصف جاہ انجمؔ، منشی عبدالکریم ابدؔ کے نام قابل ذکر ہیں۔

کچھ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ واجد علی شاہ کی طبیعت میں موزونیت کے ساتھ بلا کی زود گوئی تھی۔ شاعری کا شوق اور اکتسابِ فن قدرت کا عطیہ تھا۔ صرف ۱۷ برس کی عمر میں انھوں نے شاعری شروع کی۔ اپنی فطری صلاحیتوں اور زود گوئی کے سبب ایک سال کی قلیل مدت میں دو دیوان اور تین مثنویاں مکمل کیں۔

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست
تانہ بخشند خدائے بخشندہ

انھوں نے جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ بادشاہ نے اپنے شعری ذوق کا اظہار ان اشعار میں بھی کیا ہے :

شعر گوئی میں مزہ ایسا ملا ہے اختر
مرتے مرتے نہ کبھی شوقِ غزل جائے گا
ضعیفی میں لپٹی ہے بلائے شاعری ہم سے
نہ چھوٹے گی کبھی اختر قلم سے مشقِ طفلانہ

واجد علی شاہ اختر کی ذہانت، حاضر دماغی اور زود گوئی کا ذکر کرتے ہوئے ممتاز شاعر و ادیب عبدالحلیم شرر لکھنوی نے ایک چشم دید واقعہ اس طرح بیان کیا ہے جس سے بادشاہ کی فطری صلاحیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے :

''میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اپنے دائرہ دولت سلطان خانے سے بوچے پر سوار ہو کر امام باڑہ سبطین آباد کی مجلس میں شریک ہونے کے لئے روانہ ہوئے اور جو مرثیہ، سلام، مجلس میں پڑھیں گے، انھیں راستے ہی میں تصنیف کر رہے ہیں، دو کاتب ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ ایک کو مرثیہ کے بند لکھواتے اور دوسرے کو سلام کے اشعار۔ مرثیہ لکھنے والا کاتب جب تک مرثیہ کا بتایا ہوا بند لکھتے، سلام لکھنے والے کاتب کو ''سلام'' کا شعر لکھواتے اور دونوں کو اس قدر جلد جلد لکھوا رہے تھے کہ ایک کا بھی قلم رکنے نہیں پاتا۔ امام باڑہ دو فرلانگ بھی نہ ہوگا مگر وہاں تک پہنچتے پہنچتے

پورا اسلام اور مرثیے کے چھ بند لکھوا دیتے۔ دو مختلف بحروں پر ایک ساتھ طبع آزمائی کرنا کس قدر دشوار امر ہے اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو شعر کہنے کی مشکلوں سے واقف ہیں۔''

(سلطان عالم واجد علی شاہ۔ ڈاکٹر مسعود حسن رضوی ادیب، ص ۱۰۳)

جاوید اختر صاحب اپنے مضمون ''واجد علی شاہ، صاحبِ نظر حکمراں، عظیم دانشور اور مستند شاعر'' میں واجد علی شاہ کی شاعری کی فنی خوبیوں، اسلوبِ نگارش، اندازِ بیان، فصاحت، بلاغت، شائستگی، ادائیگی اور قادر الکلامی کا محاسبہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

''واجد علی شاہ نے جملہ اصنافِ شاعری پر طبع آزمائی کی ہے جن میں قصیدہ، غزل، مثنوی، سلام، مسدس، مرثیہ، گیت، مخمس اور رباعی قابلِ ذکر ہیں جن میں ہر رنگ نمایاں ہے۔ ان کی شاعری قرطاسِ زندگی کے تمام رنگوں سے مالا مال ہے۔ اس کے علاوہ بندش کی چستی، خیالات کی روانی، لفظوں کی ادائیگی، بے مثال اندازِ بیان، فصاحت، بلاغت اور تراکیب کی تراش خراش ان کی شاعری کی اہم خصوصیات ہیں۔ غزل کے ہر پہلو پر فصاحت و بلاغت کا خیال رکھتے تھے۔ پھر تشبیہات اور استعارات کی ملمع کاری سونے پر سہاگہ۔ واجد علی شاہ نے صنفِ مثنوی پر کافی طبع آزمائی کی۔ اس کی لامحدود دولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے وقت کی جیتی جاگتی تصویر کشی کی اور انتشار آلود ذہن کو کسی حد تک تسکین پہنچانے کی کوشش ''ثبات القلوب'' اردو ادب کی واحد مثنوی ہے جس کی ضخامت کی برابری دوسری مثنویاں نہیں کر سکتیں۔ اس کے علاوہ ''افسانۂ عشق''، ''بحرِ الفت''، ''دریائے عشق'' قابلِ ذکر مثنویاں ہیں۔ ''افسانۂ عشق'' ان کی پہلی مثنوی ہے جو سحر البیان کی بحر اور طرز پر لکھی گئی ہے۔ انھوں نے اپنی مثنویوں میں واقعہ نگاری، منظر کشی، مکالمہ نویسی، تشبیہ اور استعارے کو بڑے سلیقے سے برتا ہے اور ایسی زبان منتخب کی جو ان کی مثنویات کی جان ٹھہری۔''

کلکتہ فورٹ ولیم میں واجد علی شاہ کو ۲۶ ماہ تک بند رکھا گیا اور انھیں قید و بند کی

زندگی گزارنے پر مجبور کیا گیا۔ نظر بندی کے دوران بادشاہ نے ایک مثنوی ''حزنِ اختر'' لکھی۔ یہ مثنوی قید فرنگ کی ایک یادگار مثنوی ہے۔ اس میں لکھنؤ سے روانگی سے قیدِ فرہنگ تک کے حالات قلمبند ہیں۔ مثنوی کا ہر شعر درد، کرب و یاس، حزن و ملال سے بھرا ہوا ہے اور فکر انگیز ہے جس میں بادشاہ کی بے بسی اور بے گناہی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ مثنوی کے آخر میں قیدِ فرنگ سے نجات کی دعا مانگی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ یادگار مثنوی واجد علی شاہ نے دورانِ نظر بندی ہی مکمل کی تھی۔

مٹیا برج میں تیس سال کے قیام کے دوران واجد علی شاہ اختؔر نے بنگال میں اردو زبان و ادب کی ترویج و بقا کے لئے بڑی کاوشیں کیں۔ آپ کی ادبی خدمات قابلِ تحسین اور باعثِ افتخار ہیں کیوں کہ مغربی بنگال میں کوئی ایسا ادیب یا محقق نہیں گذرا ہے جس نے ایک سو کتابیں تصنیف و تالیف کی ہوں لیکن بادشاہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے یہ کام کیا جس کی شہادت معروف ادیب و محقق ڈاکٹر مسعود حسن رضوی اور ڈاکٹر کوکب قدر نے اپنی تصانیف میں دی ہے۔ مستقبل کا مورخ یا محقق واجد علی شاہ اختر کی اردو خدمات کبھی فراموش نہیں کر پائے گا۔

واجد علی شاہ اختؔر کی تمام تصانیف کا ذکر یہاں ناگزیر ہے البتہ ان کی چند مشہور تصانیف کے نام نمونۃً رقم کر رہا ہوں :

جواد العروض، ارشاد خاقانی، شاہدین عادلین، نصائح اختری، مناظرہ بین النفس والعقل، اختر عجم، مجموعہ واجدیہ، ناجو، دلہن، بنی، سرور خاقانی، افسانۂ عشق، چنچل نازنین، نظم نامور، توشۂ آخرت، قمر مضمون، بحر الفت، ایمان، مثنوی کفا، عشق نامہ، خطابات محلات، بحر مختلف، بین حیدری، ثبات القلوب، مثنوی حزنِ اختر وغیرہ۔

واجد علی شاہ اختؔر کے شاہی محل میں نہایت تزک و احتشام اور شان و شوکت سے مشاعرے کا اہتمام کیا جاتا تھا جس کا تفصیلی ذکر خواجہ عبد الرؤف نے ان الفاظ میں کیا ہے :

''محلِ شاہی میں مشاعرہ نہایت شان وشوکت اور دھوم دھام سے ہوتے تھے۔ لال بارہ دری میں سہ پہر کو چمن بندی، گل وفوارہ ہوتی تھی۔ کمرہ میں تمام سامانِ عیش تیار ہوتا تھا۔ دریچیاں سبزا، سرخ کاشانی مخمل کی مسند میں گز گز بھر کی جھالر نقرئی، طلائی، تنکی ہوئی چاروں طرف گلدستے قرینے سے رکھے ہوئے، جھاڑ جھاب، کنول، فانوس، شام سے روشن ہو گئے پردوں میں بنت، گوکھرو، لچکا ٹنکا ہوا، چباروں طرف قدآدم آئینہ بندی مشاعرے عام نہ ہوتے تھے۔ مشاعرے میں ہمیشہ اہلِ دربار شریک ہوتے تھے اور کبھی خاص اعزائے بادشاہ مدعو ہوتے تھے۔ اہلِ دربار کا مشاعرہ ہر مہینہ ہوا کرتا تھا اور یہ صحبت بہت ہی پاکیزہ اور پرلطف ہوتی تھی۔ گرمی کے دنوں میں شام سے لال بارہ دری کی چھت کا چھڑکاؤ ہو رہا ہے۔ پھولوں کے گلدستے منڈیروں پر رکھے جاتے ہیں۔ مکلف فرش بچھایا جاتا ہے۔ قناتوں میں بیلے کے ہار پھیلے ہیں۔ اہلِ دربار قرینے سے مودب بیٹھے ہوتے ہیں۔ تمام شعراء کی تشریف آوری کے بعد حضور جانِ عالم برآمد ہوتے ہیں۔ تمام اراکین سروقد کھڑے ہوئے اور بسم اللہ کی صدا چاروں طرف سے آنے لگی۔ حضور مسندِ نگار پر جاہ وجلال جلوہ افروز ہوئے۔ مشاعرہ داہنی طرف سے شروع ہوا۔ علی قدر مراتب ہر ایک کی تعریف ہوئی۔ سب کے بعد حضور بادشاہ سلامت نے اپنا کلام پڑھا اور مشاعرہ برخاست ہوا۔''

(واجد علی شاہ اور ان کا عہد ، رئیس احمد جعفری ، ص ۵۲)

مٹیا برج میں بادشاہ کی شان وشوکت اور ان کی طاقت کو مستحکم و پائدار ہوتے دیکھ کر انگریز وائسرائے اور افسروں کو خطرہ محسوس ہوا۔ ان کو قتل کرنے کی سازش کرنے لگے۔ اس کام کے لیے بادشاہ سے قربت رکھنے والے نمک خوار غدار منصر الدولہ عرف لنگڑے منشی کو خرید لیا۔ اسی غدار نے بادشاہ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ بادشاہ ۲۱ر دسمبر ۱۸۸۷ء کو اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔

بادشاہ کی موت کی خبر سن کر مٹیا برج کے عوام پر جو کیفیت طاری ہوئی اس کا ذکر

جناب عیش لکھنوی صاحب نے ''سوانح شاہ اودھ'' میں اس طرح بیان کیا ہے :

''مٹیا برج میں ہنگامۂ محشر بپا تھا۔ شور و فغاں سے آسمان گونج رہا تھا۔ پشتۂ سلطان خانے پر ہزاروں ملازمین کا ہجوم۔ ہر ایک گریاں و مغموم تھا۔ ۳ر بجے سہ پہر سپرنٹنڈنٹ صاحب، ریجنٹ بہادر صاحب ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس پہنچ گئے۔ پہلے لاش دیکھی، حسرت و افسوس کیا۔ پھر تمام ایوانات و ابواب و دفاتر شاہی اور مکانات اہلکارانِ شاہی سب جگہوں پر پولس کے پہرے بٹھا دیئے گئے۔ صفِ ماتم بچھی۔ دن بھر ہنگامۂ نوحہ و فریاد بپا رہا۔ نواب خاص محل اور دیگر شاہزادگان نے انتظامات اپنے ہاتھ میں لینا چاہا مگر صاحب ریجنٹ بہادر نے مناسب نہ سمجھا اور اجازت نہ دی۔ خاص معارف شاہی سے بذریعہ منصر الدولہ اور عطاء الدولہ بہادر نے بندوبست کرایا۔ شام تک انتظام مکمل ہوگیا۔ ۹ر بجے رات کو غسل دیا گیا۔ اس وقت صاحب ایجنٹ بہادر آئے اور گورنمنٹ کے حکم سے دو کمپنیاں بنگال انفینٹری کے واسطے گارڈ آف آنر کے ساتھ لائے جو ہمراہ جنازہ آگے آگے چلیں۔ ۱۰ر بجے رات کو جنازۂ مبارک بڑے تزک و احتشام کے ساتھ سلطان خانے سے برآمد ہوا۔ تمام شاہزادگان، اہلکاران اور ملازمین شاہی گریباں چاک ماتمی لباس میں ساتھ ساتھ تھے۔''

(سوانح شاہِ اودھ بحوالہ کتابچہ واجد علی شاہ کا حقیقی کردار ، از :دائم الایمان)

بادشاہ کی وفات کی خبر کے وقت اتفاق سے مولانا مفتی محمد عباس قبلہ مٹیا برج میں موجود تھے جو ان دنوں محرم کا عشرہ پڑھنے لکھنؤ سے تشریف لائے تھے۔ انھوں نے ہی بادشاہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ان کے جسدِ خاکی کو سپردِ خاک کرنے کے لئے استخارہ دیکھ کر اس مقام پر دفن کرنے کا حکم دیا جہاں مرقدِ منور آج بھی موجود ہے۔ جب جنازہ سبطین آباد امام باڑہ کے قریب آیا تو فوج کی دو کمپنیوں نے آخری سلامی دی۔ جنازہ ۱۲ر بجے شب سبطین آباد امام باڑہ، مٹیا برج میں سپردِ خاک ہوا۔

بادشاہ کے انتقال پر باکمال شاعر مظفر علی ہنرؔ نے مٹیا برج کے عوام کی ذہنی کیفیات کو ایک قطعہ میں اس طرح بیان کیا ہے :

حضرتِ سلطانِ عالم جا بسے زیرِ زمیں — آخری تھی گردشِ افلاک مٹیا برج میں
زار و نالاں و حزیں و مضطر و اندوہ گیں — مردوزن سب تھے گریباں چاک مٹیا برج میں
سینہ و سر پیٹتے تھے نعش کے ہمراہ لوگ — خاک بسر تھا ہر اک غم ناک مٹیا برج میں
الفتِ فردوس منزل سب کو لائی تھی یہاں — ورنہ ہے کس شخص کی املاک مٹیا برج میں
جس کے دم سے پرورش پائیں گے اہلِ لکھنؤ — کون ایسا آج ہے چالاک مٹیا برج میں
ساغرِ زہر غم و اندوہ کا ہے سامنا — نام کو باقی نہیں تریاک مٹیا برج میں
چار دن میں دیکھئے گا تو ہوگا نہ ہوگا مکاں — کیا کریں گے صاحبِ ادراک مٹیا برج میں
نام کو بھی ڈھیر پھولوں کے نہ آئیں گے نظر — ہوگا انبارِ خس و خاشاک مٹیا برج میں
مطلع سالِ مسیحی مخبرِ حالات ہے — اب اڑے گی چار جانب خاک مٹیا برج میں

(سلطان عالم واجد علی ، از : مسعود حسن رضوی ادیب ، ص-۳۱۱)

واجد علی شاہ اخترؔ کے عہد کے شعرا کے بعد بیسویں صدی کے آغاز میں مٹیا برج نے ایسے قادرالکلام اور باکمال شعرا کو پیدا کیا جنھوں نے ملک گیر شہرت حاصل کی اور دنیائے اردو ادب میں مقام بنایا۔ ان میں علامہ ہمایوں مٹیا برجی ، علامہ مائلؔ لکھنوی اور علامہ اثرؔ ردولوی کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ ان شعرا کے بعد ادبی منظر نامے پر جو شعراء نمودار ہوئے اور جنھوں نے گیسوئے اردو کو سنوارنے ، سجانے اور شعروادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کئے۔ ان میں چند شعرا نے ہندوستان گیر سطح پر کچھ نے ریاستی سطح پر اپنی پہچان بنائی۔ ان میں شکیلؔ مٹیا برجی ، مظہر انصاری ، ڈاکٹر عبدالرؤف ، سیّد علی ظفر شمیمؔ ، خمار دیوبندی ، اخترؔ ساز لکھنوی ، حلیم ثمر آروی ، کیفؔ الاثر ، محرم لکھنوی ، ڈاکٹر سیّد محفوظ حسن رضوی پنڈرک ، بقاؔ نظامی ، فاروق شفقؔ ، ڈاکٹر شمیم انور ، مشتاق جاویدؔ ، ایم. کے. اثرؔ ، سراجؔ مونگیری ، مکتر عظیم آبادی ، شمسؔ مٹیا برجی ، جذبؔ آنولوی ، انجمؔ باروی ، ہارون شاربؔ ، عبدالستار ابدؔ ، یعقوب

رمز، شمیم فیض آبادی، بیتاب مٹیا برجی، اختر راہی، سعید کاشف، سیّد علی محمد شہید، اصغر رضوی، حشمت کمال پاشا، یونس پرویز، دانا سکندر پوری، بدرالدین بدر، انور حسین انجم، عزیز الحسنین ہاشمی، قاسم علوی، ظفر العالم خطری، وہاب پردیسی، جتیندر دھیر، کشیشور، حاشیہ نکہت، غلام معین، قاسم شیدا، کامریڈ محمد اسمٰعیل، نظام آروی، سعید اعظمی وغیرہ کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

آج مغربی بنگال کی نئی نسل کے کئی شاعر وادیب بڑی تیزی سے ادب کی دنیا میں اپنا مقام بنانے کی کوشش کررہے ہیں۔ آج کی نئی نسل جو ادب تخلیق کررہی ہے، یہاں کی نئی نسل کے شعراء کی شاعری اس میزان پر کھری اترتی ہے۔ ان کی شعری صلاحیت اور طرزِ نگارش میں جدت کے ساتھ زندگی کے مسائل کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ اگر ذیل کے شعراء نے خلوص اور محنت کے ساتھ اپنے ادبی سفر کو جاری رکھا تو مستقبل میں اردو زبان وادب کے لئے ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوں گے۔

خالد قمر، سیّد علی نظر وسیم، امان اللہ ساغر، علیم الدین علیم، شارق رحمانی، ڈاکٹر محمد شکیل، ڈاکٹر محمد کاظم، خورشید اکرام، اصغر ندیم نظامی، شاہد حسین شاہد، مشتاق افضل، دلکش حیدری، انجم رومان، سبحان فرازی، شیراز حسین شیراز، زاہد نظر، شبیر احمد نظر، مبارک سلیم، غلام ربانی نازاں، صابر رضا شمسی، عنایت اللہ سیف، قمبر عظیم آبادی، معین الدین محور، احمد سلطان قریشی، شاداب حسین شاداب، اشفاق حسین اشفاق، اشتیاق عالم رہبر اور شاہد اقبال وغیرہ۔

دبستان مٹیا برج کے اہل قلم حضرات کی سوانح حیات؛ نثری وشعری تخلیقات کا آغاز نواب واجد علی شاہ اختر کے کلام سے کررہا ہوں۔

انتساب

تاجدارِ اَودھ، بانیٔ مٹیا برج اور محسنِ اردو

واجد علی شاہ اختر

کے نام

دبستانِ مٹیا برج کے ادباء و شعراء کی اُردو خدمات

واجد علی شاہ اختر

واجد علی شاہ اختر ابن امجد علی شاہ ۳۰ر جولائی ۱۸۲۳ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ والد کے انتقال کے بعد آپ ۱۳ر فروری ۱۸۴۷ء کو اودھ کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ انگریزوں نے ۱۸۵۶ء میں نواب واجد علی شاہ اختر پر بدنظمی، بدامنی اور رعایا کی خستہ حالی کے الزامات عائد کر کے انھیں اقتدارِ حکومت سے معزول کر کے کلکتہ روانہ کر دیا۔ معزولی کے وقت ان کے ہمراہ سپاہی، کنیزیں، بیگمات، موسیقار، علماء، ادباء، شعراء و شاعرات بھی تھیں۔ واجد علی شاہ اختر اردو اور فارسی زبانوں کے عالم، ڈراما نویس، عروض داں اور موسیقی کے شیدائی تھے۔ آپ ایک اعلیٰ پائے کے نثر نگار، قادر الکلام اور صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ آپ نے جملہ اصنافِ سخن پر قلم اٹھایا۔ آپ عالموں، شاعروں اور فن کاروں کے قدرداں تھے۔ بادشاہ کے شعری ذوق نے مٹیا برج کو ثانی لکھنؤ بنا دیا تھا۔ مٹیا برج ان دنوں شعر و سخن کا ایک اہم مرکز بن گیا تھا۔ بادشاہ کی سرپرستی میں اس سرزمین سے ایسے باکمال رتن پیدا ہوئے جن میں بعض نے دنیائے شعر و ادب میں دائمی شہرت حاصل کر لی۔ مختلف علوم اور فنون پر واجد علی شاہ اختر نے تقریباً ایک سو کتابیں تصنیف کیں۔ جناب رئیس احمد جعفری بادشاہ کی فنی خوبیوں کا ذکر

کرتے ہوئے کہتے ہیں :

''واجد علی شاہ اختر کی زندگی یکسر عیش ونشاط تھی۔ان کی شاعری میں زندگی کے اسی رُخ کی ترجمانی ہے۔لیکن زبان کی صفائی اور صحت، بنوش کی چستی، خیالات کی روانی، ترکیب کی تراش وخراش میں وہ خود اپنی مثال آپ تھے۔اس نقطۂ نظر سے بجا طور پر ان کے کلام کو ملک الکلام کہا جا سکتا ہے۔''

(واجد علی شاہ اور ان کا عہد ، رئیس احمد جعفری ، ص ۹۱)

نمونۂ کلام :

کس سے ہم جھگڑیں نہیں اپنا کسی ملت سے میل
عشق کے بندے کو کیا گبر و مسلماں سے غرض

عشق سے کچھ کام نہیں کوئے جاناں سے غرض
گل سے مطلب ہے نہ کچھ خارِ بیاباں سے غرض

زمانہ تھا پسا کرتے تھے گوہر پاؤں کے نیچے
پر اب ہے دھوپ سر پر اور کنکر پاؤں کے نیچے

شیشۂ نو فکر مئے سے میکدے میں گر پڑا
جامِ اشعارِ کہن سے ہم نے مٹی کی خراب

ایک دن زلفِ مسلسل تیری دیکھی تھی پری
تب سے آتے ہیں نظر خوابِ پریشاں کیا کیا

دولتِ دنیا کی کچھ اختر نہیں ہے احتیاج
ہم کو کاغذ اور سیاہی اور خامہ چاہئے

شاعروں سے مری زینت ہے خدا شاہد ہے
میں امّی ہوں مگر ہیں وہ سخن داں میرے

زندگی تخت پہ کی مر گئے قبر میں شاہ
فکرِ آغاز میں ہوتا ہے یہ انجام نصیب

نکالوں کس طرح دل سے تری مژگاں کے تیروں کو
مٹا سکتا نہیں انسان ہاتھوں کی لکیروں کو

کھلے گی تختۂ کاغذ پہ سرخی خونِ شاعر کی
قلم تیغِ مضامیں سے یہ سر ہو جائے حاضر ہے

نصیب فتح ہو یا ہو مجھے شکست اختر
خدا بچائے ہوا سامنا محبت کا

گلشن الدولہ بہار

بہار واجد علی شاہ اختر کے ساتھ کلکتہ آئے۔ولادت لکھنؤ میں ہوئی۔شاعری بھی لکھنؤ میں پروان چڑھی۔آپ کا شمار شاہی دربار کے سیہ سیارہ میں تھا۔آپ نے حمد، نعت، سلام،

مرثیہ اور نظموں پر زیادہ توجہ صرف کی۔ آپ کا زیادہ تر ادبی سرمایہ تلف ہو گیا ہے۔ بہارؔ نے حضور کی شان میں ایک اثر انگیز نعت پاک لکھی جو اردو میں بے حد مقبول ہوئی۔ مولوی نحیف صاحب نے لکھا ہے کہ بہار جیسے صاحبِ کمال لوگوں کی وجہ سے کلکتہ کی تقدیر جاگ اٹھی تھی۔ ان ہی صاحبِ کمال لوگوں نے کلکتہ کو باغِ جنت بنا دیا تھا۔ ڈاکٹر جاوید نہال فرماتے ہیں کہ :''بہارؔ نغز گو اور پُر گو شاعر تھے۔ کئی اصنافِ سخن میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ ان کی غزلیں شگفتہ اور دل میں اتر جانے والی ہیں اور فن کارانہ چابک دستی کا بہترین نمونہ ہیں۔''

نمونۂ کلام :

اے بہارؔ اس چمنِ عمر کی دو دن ہے بہار — پھر کوئی پھول نہ کانٹے کوئی بو جائے گا
باغ میں مدح کی بیتیں جو سزا دیتی ہیں — ڈالیاں جھوم کے پھولوں کو گرا دیتی ہیں
ایک میں ہوں سرِ بازار ذلیل و رسوا — ایک وہ ہیں جنھیں گھر بیٹھے حیا آتی ہے
دیکھئے دور سے یہ جوش آنسوؤں کے دریا کا — آج مجھ کو یہی اوبل کے ڈبو جائے گی
نہ دل ہے مرا اور نہ وہ نازنیں ہے — کئی دن سے پہلو میں کوئی نہیں ہے
دل ہے آب آب گناہوں پہ خدا خیر کرے — یہ بھی بھیگے ہوئے دامن کو بھگو جائے گا
بزم سے یار نے یہ کہہ کے نکالا مجھ کو — اٹھئے گھر جایئے دم لے چلے ستائے بہت

مہتاب الدولہ درخشاںؔ:

نام سیّد علی جان، خطاب مہتاب الدولہ بادشاہ نے عطا کیا تھا۔ آپ بادشاہ کے پسندیدہ شعرا میں تھے۔ درخشاںؔ نے قادر الکلام شاعر تدبیر الدولہ منشی مظفر علی اسیرؔ لکھنوی سے کسبِ فن کیا تھا۔ ان کی شعری صلاحیتیں سے استاد مطمئن اور خوش تھے۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ کے دربار میں خطاب کے لئے جب فتح الدولہ برقؔ نے اپنے شاگرد مرزا محمد رضا طورؔ کا نام پیش کیا تو درخشاں کے استاد مظفر علی اسیرؔ لکھنوی نے اپنے شاگرد درخشاںؔ کا نام پیش کر دیا۔ مجبوراً بادشاہ نے دونوں شاعروں کی قابلیت اور صلاحیت کو مدنظر رکھتے ہوئے دونوں کو ایک

ساتھ خطابات سے سرافراز کیا۔ نیز بادشاہ نے درخشاں کو بھی ''سبعہ سیارہ'' میں شامل کرلیا۔
آپ کی وفات اور تدفین مٹیا برج میں ہوئی۔

نمونۂ کلام :

دسترس پیدا جو ہو پتھر سے توڑوں آئینہ — دیکھنے پائے نہ تیرا روئے انور دوسرا
اے درخشاںؔ جس کے مضموں سے ہے روشن اک جہاں — شاہ اختر سا نہیں دیکھا سخنور دوسرا
غفلت پہ اپنی کیوں نہ پیٹوں خونِ دل مدام — جامِ شراب عمر کا پیمانہ بن گیا
نازک ہے فنِ شعر نہایت ہی درخشاں — کہنے سے سمجھنا مجھے مشکل نظر آیا
ذبح کیوں کرتے ہو چھوڑو باندھ کر تم بام پر — ایک دیکھے تو آ بیٹھے کبوتر دوسرا
رونق فزا ہوا جو درخشاںؔ وہ بت کبھی — آئینہ خانہ رشکِ صنم خانہ بن گیا
یہ طاقت جوشِ وحشت دکھائی ناتوانی پر — گریباں سے مرے کرتا ہے باتیں چاک دامن کی
کام وہ کر جس سے راحت گور کی منزل میں ہو — تا قیامت نور ہے جس میں نہیں گھر دوسرا
غالب ہوئی جو نکہتِ گل پہ شمیم زلف — غنچوں نے چٹکیوں میں صبا کو اڑا دیا
نہیں رہتے ہیں دانش مند رہ جاتا ہے افسانہ — خمِ گردوں ہے جب تک نام باقی ہے فلاطوں کا
دلِ ناتواں کی ہم کو مرثیہ خوانی پسند آئی — جوانی کا نہ یہ محتاج رہتا ہے نہ بازو کا
یہ کیا شرف کہ اگر فیض کا جوہر نہ ہوا — آبِ گوہر سے لبِ خشک کبھی تر نہ ہوا
آئی قریب گوشۂ ابرو جو زلفِ یار — اتری ہوئی کمان پہ چلّہ چڑھا دیا
خشک ٹکڑوں پہ کریں شکر اگر اہلِ زباں — ہم نے یہ مطلبِ آوازِ لبِ جاناں جانا
کروں کیا لطف پر تکیہ رہوں کیا قہر سے غافل — امید و بیم میں عالم نظر آیا ترازو کا

مالک الدولہ صولتؔ

صولتؔ تاجدارِ اودھ واجد علی شاہ اخترؔ کے استاد فتح الدولہ برقؔ کے بھتیجے اور مرزا جعفر صاحب کے صاحب زادے تھے۔ آپ شعر گوئی کو فنونِ لطیفہ میں سب سے بڑا فن تصور

کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ جس محفل میں چلے جاتے تھے وہاں کی فضا خوش گوار ہو جاتی تھی۔ آپ نہ صرف اعلیٰ پائے کے شاعر بلکہ صاحب دیوان تھے۔ عالمِ شباب دق جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ کا شمار بھی بادشاہ کے ''سیہ سیارہ'' میں تھا۔ آپ کا انتقال ۱۳۰۲ھ میں ہوا۔ نظم طباطبائی لکھتے ہیں 'صولت مرحوم میرے احبابِ اخلاص مند میں سے تھے۔ ان کی ہر ادا مجھے اچھی لگتی تھی۔ مرحوم کا طرزِ سخن کوئی جدت کا پہلو لئے ہوئے نہیں ہے۔ دیوان کا سارا کلام مطبوعہ و مانوس ہے۔ لکھنؤ کا خاص رنگ اور لکھنؤ کی خاص زبان تھی۔''

نمونۂ کلام :

خلعت بے گلوں کو جو فصلِ بہار میں — ہم نے جنوں کو دے دیئے کپڑے اتار کے
مٹھی سے دل کے گرتے ہی کہنے لگا وہ شوخ — ہم شرط جیت لیتے ہیں یوں ہاتھ مار کے
دستِ صیاد سے بلبل کی رہائی کے لئے — غنچہ مٹھی میں دبائے ہوئے زر جاتا ہے
بھڑکی کہیں نہ آگ نہ اٹھا دھواں کہیں — نظر ٹھہرتی نہیں روئے یار کے تل پر
جب کہ میں بزم سیہ مستان ساغر لے چلا — شور تھا ظلمات سے پانی سکندر لے چلا

برا ہو خوابِ راحت کا کھلی جب آنکھ غفلت سے
نہ پھر ہم نے نشانِ نقشِ پائے کارواں دیکھا
یہ دل میں مانی ہے ہم نے منت وطن میں کس کو دکھائیں صورت
بغیر شاہِ اودھ کے صولتؔ کبھی نہ اختر نگر کو چلئے

لوگ کہتے ہیں ضرور اک دن قیامت آئے گی — کاش آ نکلو تمھیں گورِ غریباں کی طرف
مجھ کو سودے نے دکھایا ہے بیاباں کیسا — کوئی وحشی نظر آتا نہیں انساں کیسا
واقف تری خلوت سے بشر ہو نہیں سکتا — میں کیا ہوں فرشتے کا گذر ہو نہیں سکتا
صولتؔ سے رنج فرقتِ قاتل نہ اٹھ سکا — کیا مفت جان دی ہے چھری دل پہ مار کے
کیجئے خونِ تمنا آرزوئے دل سمیت — توڑیئے دستِ طلب بھی کاسۂ سائل سمیت

گل ہوئے سینکڑوں پروانوں کی ہستی کے چراغ — شمع اندھیر بپا کر گئی روشن ہوکر
جھونکے ہوئے بلند جو بادِ بہار کے — دامن گلوں نے پھونک دئے کوہسار کے
فرماتے ہیں آسان نہیں جی سے گذرنا — مرجانے کو سب کہتے ہیں پر ہو نہیں سکتا
صولت رہِ الفت میں قدم رکھنا نہ اب تک — کرتے ہو بہت حوصلہ پر ہو نہیں سکتا
تیغ ابرو کی جو لکھی ہے صفت خامہ نے — کبھی سر ہو کے جھکا ہے کبھی خامہ ہو کر
مردم نہیں ہے چشم بتِ بے حجاب میں — پریوں کو اس نے بند کیا ہے حباب میں
اس کے دانتوں کے مقابل جو گہر جاتا ہے — دل سے گر جاتا ہے آنکھوں سے اتر جاتا ہے

مظفر علی اسیر لکھنوی

ڈاکٹر زہرہ ممتاز نے اپنی تحقیقی کتاب ''واجد علی شاہ کا دورِ مٹیا برج'' کے ایک باب میں شاہ کے وقت میں اردو ادب کی اہم شخصیات مٹیا برج اور بنگال میں ''اسیر لکھنوی'' کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ سیّد مظفر علی خان اسیر ابن سیّد امداد علی ولایت لکھنوی، شاگرد مصحفی استاد امیر مینائی تھے۔ امیر کا اردو ادب میں ایک بڑا نام ہے۔ اسیر صاحب شاعری کے رموز و نکات اور عروض پر دستگاہ رکھتے تھے۔ فارسی کا ایک اور اردو کے چھ دیوان شائع ہوئے ہیں۔ ممتاز شاعر خوت ناطق لکھنوی اپنی کتاب ''نظم اردو'' میں اسیر لکھنوی کے کلام پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ : ''اسیر لکھنوی، لکھنؤ کے سب سے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے زبان کی سادگی کو مضامین میں تخیل کی گہرائیوں سے وزن بخشا۔''

نمونۂ کلام :

کہنے کو یوں جہاں میں ہزاروں ہیں یار دوست — مشکل کے وقت ایک ہے پروردگار دوست
آیا ہے ہم کو ہاتھ یہ مضموں چراغ سے — روشن اسی کا نام ہے رہے جو جلائے دل
خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی — ہزاروں اٹھ گئے رونق وہی باقی ہے محفل کی

میر دوست علی خلیلؔ

سیّد جمال علی صاحب کے صاحب زادے میر دوست علی خلیل کی ولادت قصبہ ردولی، ضلع بارہ بنکی میں ہوئی۔ شاعری میں آپ عظیم شاعر خواجہ حیدر علی آتشؔ سے کسبِ فن کرتے تھے۔ نادر مرزا صاحب کے خلوص اور والہانہ محبت نے انھیں کلکتہ کھینچ لیا۔ ڈاکٹر زہرا ممتاز خلیلؔ صاحب کے مٹیا برج آنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں : ''خواجہ آتشؔ کے شاگردوں میں آغا جو شرف اور خلیلؔ بھی مٹیا برج تشریف لائے اور شاہ اخترؔ کے چشمۂ فیض و دولت سے مستفیض ہوئے۔'' شعر دیکھیں :

بزمِ سے یار نے یہ کہہ کے نکالا مجھ کو اٹھئے، گھر جایئے، دم لے چکے ستائے بہت

عبدالحلیم شررؔ لکھنوی

شررؔ لکھنوی کے والد محترم تفضل حسین واجد علی شاہ کے دربار میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ شررؔ صاحب نو برس کی عمر میں لکھنؤ سے اپنے والد کے پاس مٹیا برج چلے آئے۔ آپ نے بچپن میں حافظ الٰہی بخش صاحب سے قرآن شریف اور والد صاحب سے اردو کی تعلیم حاصل کی۔ جوان ہوئے تو نثر لکھنے کی طرف مائل ہوئے۔ اس کے بعد شاعری کا شوق پیدا ہوا تو شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے اور علامہ نظم طباطبائی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ استاد سے حکمت و فلسفہ کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اور سبطین آباد امام باڑہ کے متولی جناب حیدر صاحب سے انگریزی اور عربی کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ دربارِ شاہی کے شاہزادوں مرزا محمد علی، مرزا بہادر، کام بخش بہادر اور مرزا محمد جلال سے اچھی قربت تھی۔ ۱۸۸۷ء میں واجد علی شاہ اخترؔ کی وفات کے بعد شرر صاحب لکھنؤ ہجرت کر گئے۔

شررؔ لکھنوی بنیادی طور پر نثر نگار تھے، اس لئے ان کا شمار عظیم ناول نگاروں میں ہے۔ آپ کے مشہور ناولوں میں دلکش، حسن انجلینا، منصور موہنا، زیادہ و حلاوہ (یہ ناول فلورا فلورانڈا کے نام سے ۱۸۹۸ء میں شائع ہوا۔) بدر النساء کی مصیبت، شوقین ملکہ، قیس الٰہی

فلپانا، غیب داں دلہن، ملک العزیز ورچنا، مقدس نازنیں، رومتہ الکبریٰ، انصار، اسیر بابل، مینا بازار، فتح اندلس وغیرہ ان کے مشہور ناول ہیں۔ فردوسِ بریں، شرر صاحب کا شاہکار ناول ہے۔ آپ نے اپنی زندگی میں رسالہ دلگداز، پردۂ غفلت، مہذب، اتحاد، دل افروز، مورخ اور ظریف شائع کیے۔ ان میں کئی ہفتہ وار اور کئی ماہنامہ رسائل ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر بیشمار مضامین اور ڈرامے لکھے۔ شرر صاحب مٹیا برج کے نامہ نگار کی حیثیت سے لکھنؤ کے اخبارِ اودھ میں برسوں لکھتے رہے۔ نظام دکن کی ایما پر انھوں نے قیام لکھنؤ کے دوران تاریخ اسلام کے نام سے ایک کتاب لکھی جو تین جلدوں میں شائع ہوئی۔ خاکی قزلباش نے ان کے ناولوں کی مجموعی تعداد اکیس اور محقق جعفر رضا صاحب نے ۳۷/ ناولوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جب کہ ڈاکٹر ممتاز منگلور نے ان کی تصنیفات کی مجموعی تعداد ایک سو چار قرار دی ہے۔ ان میں مضامین کے آٹھ ضخیم جلدیں شامل نہیں ہیں۔ شرر صاحب ایک عظیم ناول نگار نہیں بلکہ ایک اعلیٰ پائے کے شاعر بھی تھے۔ آپ نے نظم معریٰ اور آزاد نظم ایجاد کی۔ شرر نے شاعری کے متعلق خود فرمایا کہ ''شاعری وہ فطری جذبات ہیں جو انسان کے دل کی پوری توانائی اور بے مثال کشش سے اپنی طرف کھینچ لیا کرتے ہیں۔'' شرر کی نظم ''زمانہ اور اسلام'' پچاس بند پر مشتمل ہے۔ ایک بند ملاحظہ کریں :

جو دیکھا تو اک ٹوٹا پھوٹا مکاں تھا گذشتہ ترقی کا اجڑا نشاں تھا
سماں ہر طرف حسرتوں کا عیاں تھا ہر ایک اینٹ کے دل سے اٹھتا دھواں تھا
مٹی جاہ وحشمت تھی دیوار و در سے
نکلتی تھیں آہیں چھتوں کے جگر سے

شعر

جاں نثاروں نے ترے کر دیئے جنگل آباد
خاک اڑتی تھی شہیدانِ وفا سے پہلے

علامہ نظم طباطبائی

نام سیّد حیدر علی اور ادبی نام نظم طباطبائی تھا۔ میر مصطفےٰ حسین طباطبائی کے صاحبزادے تھے۔ بچپن میں مولانا قیام الدین صاحب سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ ولادت ۱۲۷۱ھ لکھنؤ میں ہوئی۔ آپ ایک ممتاز اور قادر الکلام شاعر ہی نہیں بلکہ دیگر علوم وفنون پر اچھی گرفت تھی۔ آپ واجد علی شاہ کے شاہی دربار کے شاہزادوں کو عربی کی تعلیم دینے پر معمور تھے۔ نظم طباطبائی کی ادبی صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے بادشاہ نے انھیں نواب حیدر جنگ بہادر کا خطاب عطا کیا تھا۔ مٹیا برج میں طویل عمر گذارنے کے بعد حیدر آباد چلے گئے جہاں آپ ولی عہد بہادر کی تعلیم کے لئے اتالیق مقرر ہوئے۔ بعدازاں حیدر آباد نظام کالج میں پروفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ان ہی دنوں آپ نے انگریزی کی ایک نظم ''گورِ غریباں (Grave)'' کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا جسے رسالہ ''دلگداز'' نے نمایاں طور پر شائع کیا تھا جو اردو ادب میں ان کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ آپ کی ایک معرکتہ الآرا مثنوی ''ساقی نامہ'' کو کافی شہرت ملی۔ نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین بلگرامی کی فرمائش پر ''دیوانِ غالب'' کی شرح بھی لکھی تھی۔ ان کے عزیز شاگردوں میں حلیم شرر لکھنوی اور اقبال مہاراجہ کشن پرشاد زیادہ مشہور ہوئے۔ ان کی غزلوں کا ایک دیوان ان کی زندگی ہی میں مرتب ہوگیا تھا لیکن وہ دیوان بعد از مرگ شائع ہوا۔ حیدر آباد میں انتقال ہوا اور وہیں سپردِ خاک ہوئے۔ بقول ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، نظم طباطبائی کا اصل جوہر ان کی نظموں میں کھلتا ہے جس کی وجہ سے وہ لکھنؤ کے دبستانِ شاعری سے نکل کر جدید اردو شعراء کی صف میں آجاتے ہیں۔ مناظر قدرت پر انھوں نے کثرت سے نظمیں لکھیں :

نمونۂ کلام :

دل اس طرح ہوائے محبت میں جل گیا — بھڑکی کہیں نہ آگ نہ دھواں اٹھا کہیں

نظر ٹھہرتی نہیں روئے یار کے تل پر — چمک رہا ہے ستارہ سا ماہِ کامل پر

مجھے پیری اور شباب میں جو ہے امتیاز تو اس قدر — کوئی جھونکا بادِ سحر کا تھا جو میرے پاس سے گذر گیا

دیکھنا یوں پیار کی نظروں سے آتا ہے کسے — آنکھ جس سے لڑ گئی ساتھ اس کو حیدر لے چلا

فتح الدولہ برقؔ:

اصل نام مرزا محمد رضا خاں اور تخلص برقؔ تھا۔ کاظم علی خاں لکھنوی کے صاحبزادے تھے۔ مشہور شاعر ناسخؔ کے شاگرد، واجد علی شاہ اخترؔ کے استاد اور خاص مصاحبوں میں تھے۔ مختلف اصنافِ سخن پر ان کا ایک دیوان موجود ہے۔ لکھنؤ کی بربادی اور تباہی سے متاثر ہو کر برقؔ نے ایک دردانگیز نظم ''شہر آشوب'' قلمبند کیا تھا۔ آپ سے جن شعراء نے کسبِ فن کیا تھا ان میں ممتاز شاعر سحرؔ اور جلالؔ نے بڑی شہرت حاصل کی۔ برقؔ نے بادشاہ کی زندگی کے آخری ایام تک حقِ نمک ادا کیا اور ان کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آپ کی وفات ۱۸۸۷ء کو کلکتہ میں ہوئی۔ رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں کہ ''برقؔ پُر گو شاعر اپنے استاد ناسخؔ کے متبع تھے۔ ان کے کلام میں شامل ان کے استاد کے تکلف اور تصنع بہت ہے مگر زبان پر قدرت اور شعر میں مزہ ہے۔ کلام کے مطالعہ سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔''

نمونۂ کلام :

اذاں دی کعبہ میں ناقوس دہر میں پھونکا — کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا

میں جو روتا ہوں تو کہتے ہیں مجھے ہنس ہنس کر — جو کرے عشق یہی اوس کی سزا ہوتی ہے

قیس کا نام نہ لو ذکرِ جنوں جانے دو — دیکھ لینا مجھے تم موسمِ گل آنے دو

شوخیِ رنگِ گلِ رخسار اس پر ختم ہے — عکس سے لعلِ یمن ہیرے کا بندا ہو گیا

اس طرح گردوں نے مجھ کو لا کے پٹکا خاک پر — تن سے اونچا ہو کے سایہ شامیانہ ہو گیا

دیکھئے حالتِ دل درد سے کیا ہوتی ہے — روح نامِ شبِ فرقت سے فنا ہوتی ہے

برقؔ نے بادشاہ کی مدح میں ایک غزل کہی تھی، چند شعر حاضرِ خدمت ہیں :

عجب بانکے کنہیا نوجواں سلطانِ عالم ہیں — حسین و جانِ جاں جانِ جہاں سلطانِ عالم ہیں

زبانِ موج سے ''بادِ بہاری'' کہتی پھرتی ہے — کہ قیصر باغ کے سرِ رواں سلطانِ عالم ہیں

تخلص برقؔ، اخترؔ ہے کہ مکھڑا ماہِ کامل ہے — فلک منزل ملائک پاسباں سلطانِ عالم ہیں

تحقیق کی نئی پہچان : الف انصاری

● از : ایم. کے. اثر

تیری تصنیف جہانِ فن میں
صرف تیرا ہی سرمایہ نہیں
یہ تو دراصل ہے
سرمایۂ حیات وادب
تیرے خامہ سے ہی
''محفل''، کو ملی تھی شہرت
تیرے خامہ کی ہے تحریر
''ادب اور اسپورٹس''
تیرے خامہ کی ہے تخلیق
''اسپورٹس کی دنیا''
تیرے خامہ سے ملا ہے مجھ کو
ادب کا ''سہہ رنگ''
ناز کیسے نہ کرے
روحِ رحیمی تجھ پر
تو نے بخشا جسے
''فٹ بال کے مسیحا'' کا لقب

تیری توصیف کی پہچان ہے
''دبستانِ مٹیا برج کی ادبی خدمات''
جب بھی پڑھتا ہوں
تیری ''شاعراتِ بنگالہ''
جستجو اور بھی بڑھ جاتی ہے
تیری اے دوست!
سلسلہ ہے جو کہ تھمتا ہی نہیں
اک اثر ہی نہیں
سب کہتے ہیں
تو ہے تحقیق کی دنیا کا گہر
ارضِ بنگالہ کی
تحقیق کا اک نام ہے تو
نئے ادراک کی پہچان ہے تو

●

آغا جو شرفؔ

نام میر سادات حسین، عرفیت جو تھی۔ واجد علی شاہ اخترؔ کے صاحب زادے حامد علی کوکب آپ کے داماد تھے۔ مستقبل قیام مٹیا برج میں تھا۔ معروف شاعر آتشؔ کے شاگرد تھے۔ گرچہ آپ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں تھے لیکن صاحب دیوان شاعر تھے۔ آغا صاحب کی شاعری کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے رئیس احمد جعفری رقمطراز ہیں: ''آغا جو کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ دیر بت کدہ وصنم وبرہمن وناقوس وقشقہ وزنار وتسبیح، مصلیٰ زاہد وموزن وواعظ وشیخ و خانقاہ، میخانہ وشیشہ وساغر وساقی وپیرِ مغاں، جام وصراحی ومینا کا ذکر کہیں نہیں آتا۔''

نمونۂ کلام :

جہاں میں حسن پرستوں کی جان لینے کو — نکھر نکھر کے نکلتے ہیں خوبرو کیا کیا
زباں جو ان کی شرفؔ نشہ میں بہکتی ہے — مزے مزے کی وہ کرتے ہیں گفتگو کیا کیا
جھٹ پٹا وقت ہے بہتا ہوا دریا ٹھہرا — صبح سے شام ہوئی دل نہ ہمارا ٹھہرا
چمن میں جا کے جو دل کو تلاش کی میں نے — چھدا ہوا اسے اک نوکِ خار میں دیکھا
پھڑک کر جان نہ دیتا تو آہ کیا کرتا — قفس سے اور نکلنے کی راہ کیا کرتا
پنک پنک کے کہیں گل بنا کہیں لالہ — چمن میں رنگ نہ لایا مرا لہو کیا کیا
شاخِ گل جھوم کے گلزار میں سیدھی جو ہوئی — پھر گیا آنکھوں میں نقشہ تیری انگڑائی کا
ٹھہرا گیا لا کے مجھے منزل میں عشق کی — کیا جانے رہنما تھا کہ رہزن تھا کون تھا
کون ہے جس سے فسانہ کہوں اے دل تیرا — سننے والا کوئی پہلو میں بٹھالے تو کہوں
رما کے دھونی جو بیٹھا ہوں مانگ پر اس کی — اسی لکیر کا مجھ کو فقیر ہونا تھا
نکل کے جاؤں کدھر تیری انجمن کے سوا — چمن کے بعد بسوں پھر کہاں چمن کے سوا

شیخ صادق علی مائلؔ

مائل صاحب معروف وممتاز شاعر خواجہ آتشؔ کے نواسے تھے۔ آپ اپنے نانا جان

سے بیحد متاثر تھے۔ آتش کے ایک ایک شعر کو الہامی سمجھتے تھے۔ آپ ان کی شاعری سے اس قدر متاثر ہوئے کہ یہاں تک کہہ دیا کہ دنیا میں شاعری سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں۔ مائل صاحب نے کافی لکھا اور ایک دیوان تیار کیا جو شائع بھی ہوا۔ واجد علی شاہ کے انتقال کے بعد آپ مٹیا برج سے لکھنؤ چلے گئے۔ آپ نے غزلوں کے علاوہ مثنویاں بھی قلم بند کی تھیں۔ انھوں نے فتح مکہ کے تاریخی واقعہ کو نظم کر کے ایک محفل میں پڑھا جسے لوگوں نے کافی سراہا تھا۔ ان کا بیشتر سرمایہ تلف ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ مائل صاحب نے ایک غزل بغرضِ اصلاح بادشاہ کی خدمت میں پیش کی۔ معمولی سی تبدیلی کے ساتھ ان کی غزل اور ان کی تعریف میں کچھ شعر لکھ کر واپس کر دیا۔ مائل کی مدح میں بادشاہ نے جو اشعار کہے' ایک شعر ملاحظہ فرمائیں جس میں انھوں نے مائل صاحب کے کلام کی پذیرائی کی :

اے شاعر نوسخن خدارا اندازِ سخن نے تیرے مارا

نمونۂ کلام :

عہدِ پیری میں عیاں داغِ جگر ہونے کو ہے گرمئ ہنگامہ شمع و سحر ہونے کو ہے
تصور تھا جو رونے میں گلوئے یار مہہ رو کا صراحی دار موتی بن گیا ہر قطرہ آنسو کا
بعد مرنے کے دکھایا رنگ اپنا عشق نے قبر پر میری وہ گل' پھولوں کی چادر لے چلا
طریقِ گریہ تجھے چشمِ تر نہیں آتا کہ ساتھ اشک کے خونِ جگر نہیں آتا
خدا دکھائے نہ تاریکئ شبِ فرقت کہ آسمان و زمیں کچھ نظر نہیں آتا
نہ جانے کس کا یہ تیر نظر تھا آفت کا کہ التیام یہ زخمِ جگر نظر نہیں آتا
موسیٰ کی آنکھ اور ہے میری نگاہ اور اور جلوہ گاہِ یار میں بے کار آئے ہیں

مرزا مسیتا عیشؔ

عیشؔ صاحب کا شمار مٹیا برج کے نمائندہ شعرا میں تھا۔ ابتدائی دنوں میں آپ نے غزلوں پر مشق کیا لیکن بعد میں غزل کہنا ترک کر دیا اور کثرت سے نعت و منقبت کہنے لگے۔

کوائف کی عدم دستیابی کے سبب آپ کی سوانح پر روشنی ڈالنے سے قاصر ہوں البتہ تین اشعار دستیاب ہو سکے ہیں۔ عیشؔ کے طرزِ اظہار میں روایت کی پاسداری کے ساتھ زبان و بیان کی خوبصورت ادائیگی، حسنِ اسلوب اور نازک خیالی نظر آتی ہے۔

نمونۂ کلام :

سلامی حالِ عابد جس جگہ میں نے لکھا دیکھا — مرے پائے نگہ نے بن کے چشمِ آبلہ دیکھا
سر کے بل چلتا ہے لازم شاہِ راس طوس کا — گوکھرو کوسوں بچھا ہے تاج کیکاؤس کا
وہ گلے مل کے دکھانے لگے زلفِ مشکیں — آگئی آئینہ میں تا بہ کمر وصل کی رات

مظفر علی ہنرؔ

نام سیّد جمال علی اور تخلص ہنرؔ تھا۔ تخلص کے اعتبار سے اسمِ بامسمّٰی تھے۔ واجد علی شاہ اخترؔ کے درباری شاعر تھے، سبعہ سیارہ یعنی دربار کے سات عظیم شعراء میں ایک تھے۔ مرزا ولی عہد خاص محل اور محبوب محل کے استاد تھے اور قادر الکلام شاعر خواجہ حیدر آتشؔ کے شاگرد تھے۔ تذکرہ نگاروں نے ایک ضخیم شعری مجموعہ کا تذکرہ کیا ہے جو شائع بھی ہوا تھا۔ آپ خود بھی شاعری پر اچھی دسترس رکھتے تھے۔ ان کے کلام میں کلاسیکی ادب کی پوری شان جھلکتی ہے۔ آپ اپنے ہم عصروں میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ڈاکٹر زہرا ممتاز ہنرؔ کے کلام پہ اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہیں :

> ''ہنرؔ کے کلام میں ناہمواری ہے لیکن بعض اشعار عمدہ اور بلند ہیں اور بعض بالکل معمولی ہیں۔ بعض اشعار میں وہی عشقِ مجازی اور بعض میں ابتذال پایا جاتا ہے۔''

نمونۂ کلام :

رائیگاں ہوگا نہ ہرگز خاکساروں کا غبار — کچھ زمیں لے جائے گی کچھ آسماں لے جائے گا
مجھ سے الگ مرے دلِ مردہ کو گاڑنا — دہرہ جنازہ ایک کفن میں نہ چاہیے

حامد علی مرزا کوکب

آپ کا تعلق خاندانِ شاہی سے تھا۔ جب شاعری کا شوق ہوا تو شوقیہ شعر کہنے لگے۔ جو کچھ لکھتے استاد شاعر مظفر علی ہنر کو دکھاتے۔ رفتہ رفتہ مشق و مزاولت سے خوب شعر کہنے لگے اور کافی مشہور ہوئے۔ تذکرہ نگاروں کے مطابق آپ صاحب دیوان شاعر تھے۔ لیکن وہ دیوان شائع ہوا یا نہیں اس کا علم نہیں۔ شعر کہا کرتے تھے جو دستیاب نہیں ہو سکے۔ آغا حجو شرف نے ایک جگہ لکھا ہے کہ حامد مرزا کوکب کو دشمنوں نے زہر پلا دیا تھا۔ جب کہ دوسری روایت میں ہے کہ ان کی موت مٹیا برج میں ہیضہ سے ہوئی تھی۔ روایتوں میں ہے کہ آپ افیون کے عادی تھے۔ ایک دن میں اتنی افیون کھا جاتے تھے کہ اتنی مقدار میں افیون سو آدمیوں کو دی جائے تو وہ مر جائیں۔ اس لئے قیاس کیا جاتا ہے کہ ان کی موت افیون کی زیادتی کی وجہ سے ہوئی ہوگی۔

نمونۂ کلام :

کس طرح آہ بھلا خاک فراہم ہوگی　　کس طرح اڑ کے غبار اپنا گیا کیا جانے
صورت سبزۂ بیگانہ ہوا ہوں پامال　　محل امید مرا نشو نما کیا جانے
کوئی تو ایسی خطا اس سے ہوئی ہے ورنہ　　سر جھکانا یہ گنہگار ترا کیا جانے
چھٹا ہے جس دن سے میرا مسکن　　ملول ہے دوست خوش ہیں دشمن
ملا نہ بعد فنا بھی مدفن　　گواہ غربت مری قضا ہے
رکھوں جہاں میں امید کس سے　　ہزاروں ہیں مرے دل کے شکوے
خبر بھی اب تک نہ لی کسی نے　　چراغِ تربت بجھا پڑا ہے
نشان بھی اب نہیں چمن کا　　نہ ذکر باقی ہے انجمن کا

ہم ایسے آوارۂ وطن کا!
نہ کچھ نشاں ہے نہ کچھ پتا ہے

(واجد علی شاہ اور ان کا عہد ، رئیس احمد جعفری ، ص :۸۹)

آفتاب الدولہ قلق

مٹیا برج کے اولین شعراء میں ایک نام آفتاب الدولہ قلق کا ہے۔ ان کا نام خواجہ اسد علی خاں تھا اور تخلص قلق تھا۔ واجد علی شاہ نے آفتاب الدولہ شمس جنگ بہادر کا خطاب عطا کیا تھا۔ آپ کے والد بہادر حسین فراق بھی اچھے شاعر تھے۔ کلام پر اصلاح اپنے ماموں جان خواجہ وزیر سے لیا کرتے تھے۔ خواجہ وزیر ادب کی دنیا کا ایک ممتاز نام ہے اور خواجہ وزیر واجد علی شاہ کے تلامذہ میں تھے۔ آپ نے ایک دیوان مرتب کیا تھا جو ''مظہرِ عشق'' کے نام سے منظرِ عام پر آیا تھا لیکن ان کی شہرت مثنوی ''طلسم الفت'' سے قائم ہوئی۔ یہ مثنوی اردو ادب میں ایک بڑا کارنامہ ہے۔ یہ مثنوی سات ہزار آٹھ سو بارہ اشعار پر مشتمل ہے۔

نمونۂ کلام :

سچ تو ہے حضرتِ انساں کی ہے عجب خود مطلب
جب دئے رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا

دورِ آخر میں مجھے جام دیا اے ساقی
بارے صد شکر کہ اب بھی میں تجھے یاد آیا

چار دن بلبلِ بے کس نہ رہی بے کھٹکے
کبھی گل چیں جو گیا باغ سے صیاد آیا

دوروزہ عمر قفس میں کٹی کہ گلشن میں
ہر ایک طرح سے ہوجائے گی بسر صیاد

آثارِ رہائی میں یہ دل بول رہا ہے
صیاد ستم گر مرے پر کھول رہا ہے

خلعت و زر سے تو ہر طرح نوازا جاؤں
تیری محفل میں قلق کہہ کے پکارا جاؤں

تم کو پھر ملک ملے تخت ملے تاج ملے
ہم کو خلعت نہ دو منصب نہ دو جاگیریں دو

مرزا جہاں قدر نیر

نواب واجد علی شاہ اختر صاحب کے چچا اور خسر بھی تھے۔ آپ مرزا اسکندر حشمت کے لختِ جگر تھے۔ آپ تمام شہزادوں میں نہایت ذہین اور پُر وقار شخصیت کے مالک تھے۔ کلکتہ کے امراء و شرفاء سے آپ کے گہرے مراسم تھے۔ آپ سبطین آباد امام باڑہ میں ہونے والے مشاعروں میں شرکت کرتے، اکثر خود محفلوں کا انعقاد کرتے اور خود منبر پر جلوہ افروز

رہتے ۔شعراء کی حوصلہ افزائی کرتے ۔لکھنؤ کے ایک فاضل ادیب جناب سیّد محمد مہدی صاحب جب مٹیا برج تشریف لائے تو قدر نیر صاحب نے ان سے عربی کی تعلیم حاصل کی جس کا خوش گوار نتیجہ یہ نکلا کہ ساری صرف ونحو فارسی سے عربی میں ترجمہ ہوئی ۔آپ غزلیں کہتے تھے لیکن پسندیدہ صنف مرثیہ تھی ۔کہتے ہیں کہ مرزا مقیم نے ان کا کچھ کلام جمع کیا تھا اور مطبع شمس حیدر آباد میں چھپوا کر پانچ سو جلدیں کلکتہ بھیج دی تھیں ۔

نمونۂ کلام :

بہت دنوں بعد ہم کو نیر پتہ ملا ہے دل و جگر کا
وہ نکلا پتھر سے آگ بن کر یہ ٹپکا مہدی سے رنگ ہو کر

ڈرا طولِ شبِ غم سے نہ میں روزِ مصیبت سے ترے سر کی قسم مشکل کو مشکل میں نہیں سمجھا
بجلی کا چمن پھل کے چمکنے نے دکھایا گردوں پہ کمند اپنی لگا پھینکنے سایہ

مرزا آصف جاہ اجم

اجم صاحب واجد علی شاہ اختر کے ہمراہ مٹیا برج آئے ۔اپنے دور کے قابلِ قدر شعرا میں شمار کئے جاتے تھے ۔زبان و بیان پر اچھی دسترس حاصل تھی ۔آپ کی شاعری میں جمالیاتی حسن کے ساتھ فکر میں تازہ کاری اور سادگی پائی جاتی ہے ۔ان کی شاعری کا آہنگ روایتی ضرور ہے لیکن آج کے قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہے ۔

نمونۂ کلام :

کھیل گئے کیوں جان پہ اجم تم نے ابھی کیا دنیا دیکھی
مرنے لگے خوبانِ جہاں پر تیری دیکھا دیکھی
ایک ذرا سے حشر پہ واعظ اس کا ڈرنا اللہ اللہ
جس نے بتوں کی گلی میں برسوں روزِ قیامت برپا دیکھی

دیکھ نہ جانا اس طرف اجم دشتِ بلا ہے کوچۂ یار کہنا مان ہمارا اور مفت میں مارا رکھا ہے

نہ اچھا ہے دکھانا دل کسی کا کہا بھی مان او قاتل کسی کا
لگا کر تیغ اب کیا سوچتا ہے لگا دے نام اے قاتل کسی کا

منشی عبدالکریم آبدؔ

آپ واجد علی شاہ اختر کے ساتھ مٹیا برج تشریف لائے۔ ان دنوں کلکتہ سے شائع ہونے والا اردو کا پہلا اخبار ''جامِ جہاں نما'' اور ''حبل المتین'' میں شعبۂ نظم دیکھا کرتے تھے۔ کچھ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کو نعتیہ اشعار کہنے پر ملکہ تھا۔ ایک نعتیہ مجموعہ بھی شائع ہوا تھا۔ آپ فنِ شاعری پر اچھی مہارت رکھتے تھے کیوں کہ آپ کو استادِ فن جناب حکیم سیّد محمد سجاد صاحب سے تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ کلام کی عدم دستیابی کے سبب دو شعر جو دستیاب ہوئے انھیں رقم کرنے پر اکتفا کر رہا ہوں۔

نمونۂ کلام :

بھول جائے وہ بہار باغِ جنت کو آبدؔ دیکھے رضواں گر مدینے کے گلستاں کی طرف
دیکھا کافر نے بھی جب محبوبِ سبحاں کی طرف اوس کا دل مائل ہوا توحیدِ یزداں کی طرف

شیخ الٰہی بخش تبسّم

تبسّم صاحب واجد علی شاہ اختر کے ہمراہ مٹیا برج وارد ہوئے۔ آپ کی پسندیدہ صنف غزل تھی۔ آپ کے صرف تین اشعار ہی دستیاب ہو پائے ہیں جنھیں پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی زبان اور بیان میں نفاست و شگفتگی تھی اور اپنے عہد کے المیہ کو خوبصورت انداز میں پیش کرنے کا سلیقہ رکھتے تھے۔ بعد وفات مٹیا برج کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

نمونۂ کلام :

مل چکے مٹی میں اور ہم ہو چکے برباد بھی اب کہاں یہ خاک اسے چرخِ ستمگر لے چلا
اے تبسّم جب ہوا درپیش دنیا کا سفر میں نہ تکیہ لے چلا کوئی نہ بستر لے چلا

بعد مرنے کے دکھایا رنگ اپنا عشق نے قبر پر میری وہ گل، پھولوں کی چادر لے چلا

طاہر حسین مٹیا برجی ثم الٰہ آبادی

طاہر حسین کا مستقل قیام مٹیا برج میں تھا۔ ۱۸۹۷ء کے بعد آپ الٰہ آباد چلے گئے اور وہاں سکونت اختیار کر لی۔ جب تک آپ مٹیا برج میں رہے اپنے نام کے ساتھ مٹیا برجی اور الٰہ آباد جانے کے بعد الٰہ آبادی کا اضافہ کر دیا۔ آپ زیادہ تر غزل، قصیدہ اور سلام کہتے تھے۔ موضوعاتی شاعری میں اپنے خاص اور منفرد لہجے کی وجہ سے اپنی شناخت قائم کی۔ افسوس کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔

علامہ ہمایوں مٹیا برجی

بیسویں صدی میں مٹیا برج کے ادبی افق پر جو ممتاز اور نامور شعرا ابھرے ان میں انتہائی محترم اور اعلیٰ مقام علامہ ہمایوں مرزا کا ہے۔ آپ ایک قادر الکلام شاعر تھے اور مغربی بنگال میں ان کی شاعری کی دھوم تھی۔ ہمایوں صاحب کی شاعری کی بنیاد روایتی اور کلاسیکی اقدار پر ہے۔ انھوں نے جس رنگ و آہنگ میں عشقیہ اور رومانی غزلیں کہیں، اسی طرزِ ادا اور اسلوب پر تاحیات قائم رہے۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ شعر و ادب کے گیسو سنوارنے میں گذرا۔ آپ کی شاعری نے نہ صرف ہم عصروں میں قبولیت کا درجہ حاصل کیا بلکہ آپ آج تک اپنی شاعری کے توسط سے عصر حاضر کے شعراء و ادباء میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ آپ نے ایک ناول ''فردوسِ بریں'' بھی قلمبند کیا تھا جسے ادبی حلقوں میں کافی شہرت ملی۔ معروف و معتبر شاعر ابراہیم ہوشؔ نے اپنے تاثرات میں لکھا ہے کہ ''ہمایوں مٹیا برجی صاحب کی دو غزلوں میں جو مجھے تلاشِ بسیار کے بعد ملیں، ان دنوں میں لکھنوی رنگ کا وہی رکھ رکھاؤ ہے جو قدما کا طرۂ امتیاز تھا۔ روایت سے مستحکم رشتہ رکھنے کے باوجود ان کے تخیل میں کچھ جدت بھی نظر آتی ہے۔

نمونۂ کلام :

جلترنگ چل کے سنو آج نئے بلبل کے
ضربِ نقار سے بجتے ہیں کٹورے گل کے

خود نہ وہ ہاتھ لگائیں نہ مجھے چھونے دیں
آپ سے آپ بندھا ہے کہیں جوڑا کھل کے

رحم آیا بھی تو صیاد کو کیا خاک آیا
تیلیاں کھول کے پر توڑ دیئے بلبل کے

کچھ صبا لے گئی کچھ صحنِ چمن میں چھوٹے
کچھ دبے ہیں کفِ صیاد میں پر بلبل کے

اے ہمایوںؔ ہے مجھے مجمعِ احباب پسند
ہو گئی عید جہاں بیٹھ گئے مل جل کے

ایک دن عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا
ہجر وہ غم ہے خدا سے بھی اٹھایا نہ گیا

نشرؔ لکھنوی

اصل نام سیّد کاظم حسین اور ادبی نام نشرؔ لکھنوی تھا۔ گرچہ بنیادی طور پر آپ ڈراما نگار تھے لیکن شاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ کلکتہ کے مشاعروں میں شرکت فرماتے تھے۔ مشہور ڈراما نگار آغا حشر کاشمیری کے ہم عصروں میں تھے۔ ''ادب اردو'' کے مصنف ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے ان کے اِن ڈراموں کا تذکرہ کیا ہے۔ ''گنہگار، عبرت، رستم جنگ، اچھوت بلا، دھرمی بالک، دودھاری تلوار، حسین بلا، لیلیٰ مجنوں، تصویرِ وفا، ماں کی محبت، آج کی دنیا'' وغیرہ آپ کے مشاہیر ڈرامے ہیں۔ ڈراما نگاری آپ کا ذریعہ معاش تھا۔ آپ کے بیشتر ڈرامے کلکتہ کے ''لیڈل تھیٹر'' میں اسٹیج کیے گئے۔ تقسیم ملک کے بعد عزیز و اقارب اور بڑے صاحب زادے پاکستان چلے گئے اور نشرؔ صاحب کا کل ادبی سرمایہ بھی ساتھ لے گئے۔ نشرؔ لکھنوی کا انتقال ۱۹۳۸ء کو کلکتہ میں ہوا۔ آپ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں :

مرے دامنِ لحد سے نہ ملاؤ اپنا دامن
کہ دبی دبی سلگتی نہ ہو آگ استخواں کی

کچل کر پائے ظالم سے یہ پتی پھول کی بولی
سنبھل کر چل ذرا میں بھی کبھو تاجِ گلستاں تھی

علامہ اثرؔ ردولوی

اصل نام محمد یوسف انصاری، قلمی نام اثرؔ ردولوی تھا۔ والدِ محترم کا اسمِ گرامی غلام محمد

رضا تھا۔ آپ کی ولادت ۱۸۶۹ء کو بارہ بنکی قصبہ ردولی میں ہوئی۔ شاعری کا آغاز ۱۸۸۸ء میں کیا۔ شاعری کی نوک پلک سنوارنے کے لئے آپ علامہ امیر مینائی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ استاذ الفنون علامہ اثر ردولوی سے مٹیا برج کے بہت سے شعراء نے کسبِ فن کیا۔ آپ کو علمِ عروض پر دسترس حاصل تھی۔ علامہ رضا علی وحشتؔ اور شادؔ عظیم آبادی جیسے ماہرِ فن شعراء آپ کے قدرداں تھے۔ اثرؔ صاحب اعلیٰ پائے کے نقاش اور خطاط بھی تھے۔ خطاطی کے اعلیٰ نمونے احادیثِ نبوی اور قرآنی آیات کی شکل میں ردولی کی مسجد اور امام باڑہ حسینیہ شادیہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ سادہ لوحی اور منکسر المزاجی کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۵۵ء میں مٹیا گڑھ کے ایک آل بنگال مشاعرہ میں ابراہیم ہوشؔ صاحب کی صدارت میں کلام پیش کیا۔ ہوشؔ صاحب آپ سے بہت جونیئر تھے۔ بڑے فن کار ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ اثرؔ صاحب کی وفات ۳۰ر دسمبر ۱۹۶۸ء کو ردولی میں ہوئی۔ علامہ اثرؔ صاحب سے کسبِ فن کرنے والوں میں عبدالشکور شاکرؔ، وفا بارہ بنکوی، شمیم فیض آبادی، حلیم ثمر آروی اور کیف الاثر وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ تدفین پیاز گنج قبرستان، ردولی میں ہوئی۔

نمونۂ کلام :

کیوں سوگ کسی کا ہے برہم جو ہوئیں زلفیں
کیوں تیری اداؤں کا شیرازہ پریشاں ہے

مری چشمِ تر میں روانی بہت ہے
یہ چشمہ تو چھوٹا ہے پانی بہت ہے

اثرؔ خود طبع عالی قدردانی اہلِ جوہر ہے
مجھے پرواہ کیا ٹھہرے نہ ٹھہرے قدرداں میرا

ترے ظلم و تغافل جس طرح مشہود عالم ہیں
رہے گا ذکر یوں ہی داستاں در داستاں میرا

اسیری ہوچکی صیاد طوفانِ بہاراں پر
کہ اڑ چلنے کو اب تو لے ہوئے ہے طائرِ جاں پر

بتِ غارت گرِ ایمان کا اللہ رے ہنگامہ
کتابِ اتقا زاہد نے رکھ دی طاقِ نسیاں پر

دل جلا دیتا ہے خال رُخِ جاناں کا خیال
آگ لگ جاتی ہے بارود کے اک دانے سے

نخلِ ہندیؔ گلستانِ سخن کھیل نہیں
ہم نے نوے برس اس فن میں ریاضت کی ہے

جو داد دے نا شناس کوئی تو اس کا غم ہو نہ شادمانی
مگر خامشیٔ نکتہ داں سے اثرؔ دلِ باکمال ٹوٹے

فہرست

جنبشِ لب 9

مٹیا برج کی تاریخی حیثیت 14

دبستانِ مٹیا برج کے ادباء و شعراء کی ادبی خدمات / واجد علی شاہ اختر 30

گلشن الدولہ بہار 31

مہتاب الدولہ درخشاں 32

مالک الدولہ صولت 33

مظفر علی اسیر 35

میر روشن علی خلیل / عبدالحلیم شرر 36

علامہ نظم طباطبائی 38

فتح الدولہ برق 39

آغا جوشرف / شیخ صادق علی مائل 40

مرزا مسیتا عیش 41

مظفر علی ہنر 42

حامد علی مرزا کوکب 43

آفتاب الدولہ قلق / مرزا جہاں قدر نیر 44

مرزا آصف جاہ انجم 45

منشی عبدالکریم / شیخ الٰہی بخش تبسم 46

طاہر حسین مٹیا برجی / ہمایوں مٹیا برجی 47

نشر لکھنوی / علامہ اثر دولوی 48

علامہ مائل لکھنوی 50

شوریدہ بنارسی / تبسم گورگانوی 52

مرتضیٰ حسین ٹسن / سلیم اللہ فہمی 53

سیّد علی ظفر شمیم 54

مظہر انصاری 56

اختر ساز لکھنوی 58

خمار دیوبندی 59

نہ پوچھو مجھ سے روداد پُر افشانی کہ مڑ مڑ کر　　خود افسانہ سناتی ہیں قفس کی تیلیاں میرا
شب انتظار کا ماجرا سرِ بزم مجھ سے نہ پوچھئے　　مرے انتظار کو دیکھئے ذرا اپنی زلفِ دراز میں
مصور ہوں سخن سنجی نہیں کچھ باعثِ عزت　　اثر توقیر میری مانی و بہزاد کرتے ہیں

صوفی شاعر بقا نظامی صاحب لکھتے ہیں کہ اثر رودولوی فارسی، اردو اور عربی زبان کی اچھی جانکاری رکھتے تھے۔ اُن دنوں کلکتہ میں سوائے سیّد ابوالعلا ناطق لکھنوی کوئی آپ کا ہم سر نہیں تھا۔

علامہ مائل لکھنوی

نام سیّد ارتضیٰ حسین اور تخلص مائل تھا۔ ۱۹۰۵ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ عالمِ شباب میں ہی کلکتہ چلے آئے اور مٹیا برج میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے مٹیا برج ہائی اسکول میں برسوں درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ شاعری کا آغاز ۱۹۱۸ء سے کیا اور فنِ شاعری معروف و ممتاز شعراء عزیز لکھنوی اور صفی لکھنوی سے سیکھا۔ علامہ ابو لبیان مائل لکھنوی کا شمار ہند و پاک کے معتبر اور نامور شعرا میں ہوتا تھا۔ مرکزی کلکتہ اور مقامی شعراء نے آپ سے کسبِ فن کیا۔ ان کے عزیز شاگردوں میں سیّد علی ظفر شمیم، مخبر مٹیا برجی، بقا نظامی، خمار دیوبندی، ثمر آروی اور محرم لکھنوی کے نام اہم ہیں۔ آپ نہ صرف اعلیٰ پائے کے شاعر تھے بلکہ ناول نگار اور ڈرانویس بھی تھے۔ آپ کے کئی ڈرامے اسٹیج کئے گئے۔ کچھ دنوں تک فلموں میں گانے بھی لکھے۔ آپ کا مشہور ناول ''وائسرائے کپ'' ہے۔ مائل صاحب نے مہاکوی داغ دہلوی پر ایک ڈراما لکھا جس کا نام ''مہاکوی داغ'' تھا۔ یہ ڈراما کلکتہ میں بہت مقبول ہوا تھا جسے تین سال تک ایک تھیٹریکل کمپنی نے پیراڈائز یا کسی اور سنیما ہال میں اسٹیج کیا تھا۔ ۱۰ر جنوری ۱۹۶۸ء میں روح پرواز کر گئی۔ آپ کے جسدِ خاکی کو مٹیا برج کے ۲ر نمبر قبرستان میں دفن کیا گیا۔ مائل صاحب کی غزلوں اور قصیدوں میں فکر کی گہرائی، روانی کے ساتھ کلاسیکی حسن کی پاسداری بھی ملتی ہے۔ ان کی غزلوں کا کیف و سرور قاری اور سامع کے دل و دماغ کو نہ صرف متاثر و مضطرب کرتا ہے بلکہ سکون بھی بخشتا ہے۔ ان کی شعری

تخلیقات میں جہاں ہمیں فکری بصیرت ملتی ہے وہیں ان کے عہد کے مسائل کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔

نمونۂ کلام :

موت کا تو علاج ہے مائل زندگی کی دوا نہیں معلوم
جہاں تک دبو گے دبائے گی دنیا کھنچو کھنچ کے بن جاؤ تلوار مائل

عقل قصور ہی قصور ، عشق سرور ہی سرور
عقل کے بس میں کچھ بھی ہے، عشق کے بس میں کیا نہیں

نہ پوچھ کیسے گذاری ہے زندگی میں نے گذارنے کی تھی اک شئے گذار دی میں نے
چشمِ ساقی کا خیال آتے ہی پھر ڈوب گیا ابھی اُبھرا تھا چھلکتے ہوئے پیمانے سے
اب چارۂ بے ربطی و ترتیب نفس کیا مرنا ہے بہرحال تو جینے کی ہوس کیا

لحاظ تھا دستِ نازنیں کا جو کہہ دیا ہنس کے ہاں نہیں ہے
بس کیا بتاتا کہ درد دل میں کہاں کہاں ہے کہاں نہیں ہے

مائل دوائے درد میں کچھ زہر تو نہیں کچھ ہاتھ کانپتا سا مرے چارہ گر کا ہے
تصور تھا جو رونے میں گلوئے یار مہ رو کا صراحی دار موتی بن گیا ہر قطرہ آنسو کا
میں نے دیکھے ہیں دہکتے ہوئے پھولوں کے جگر دلِ بینا میں ہے وہ نور تمھیں کیا معلوم
طریقِ گریہ تجھے چشمِ تر نہیں آتا کہ ساتھ اشک کے خونِ جگر نہیں آتا
کلی کلی پہ تبسم ہے پھول قہقہہ ریز یہ کس نے سارا چمن گدگدا کے چھوڑ دیا
موسیٰ کی آنکھ اور ہے میری نگاہ اور وہ جلوہ گاہِ یار میں بیکار آئے ہیں
رسائی جہاں غیر ممکن ہے مائل وہیں میرا جانے کو دل چاہتا ہے
جمودِ فکر و نظر جس سے دور ہو مائل پیمبری ہے وہ اس شاعری کا کیا کہنا
وہ ہاتھ اگر دل پر یا دل کے قریں ہوتا ہوتا بھی تو کہہ دیتا اب درد نہیں ہوتا
طور پر یہ حضرتِ موسیٰ کو کہہ دینا پڑا اب تو چلمن ڈال دو ٹکڑے ہوا جاتا ہے دل

شوریدہ بنارسی

شوریدہ بنارسی مٹیا برج کے چند اچھے شاعروں میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ کی شعری خوبیوں کا اعتراف علامہ وحشت کلکتوی نے بھی کیا ہے۔ وحشت صاحب کی صدارت میں کلکتہ کے اسلامیہ کالج میں ایک مشاعرہ ہوا تھا جس میں شوریدہ بنارسی بھی موجود تھے اور ان کے کلام کو کافی سراہا تھا۔ آپ اپنی شاعری میں عصری رجحانات اور اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کھل کر بیان کرتے تھے۔ نمونۃً ایک شعر ملاحظہ فرمائیں جو دستیاب ہوسکا۔

اشکوں کو مرے لے کر دامن پہ ذرا جانچو　　جم جائے تو خوں سمجھو بہہ جائے تو پانی ہے

تبسم گورگانوی

تبسم صاحب مغربی بنگال کی سطح پر اچھے ہزل گو تسلیم کئے جاتے تھے۔ مشاعرے میں آپ کی موجودگی سے سامعین میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ آپ کلکتہ کے بیشتر چھوٹے بڑے مشاعروں میں شرکت فرماتے تھے۔ ان دنوں یہ طریقہ رائج تھا کہ صدر مشاعرہ کے اختتامیہ کلام کے بعد کسی ہزل گو شاعر کو زحمتِ سخن دی جاتی تھی۔ تبسم صاحب کا کلام اور انداز دیگر شعراء سے منفرد تھا۔ ان کے متعلق ابراہیم ہوش صاحب ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں۔ تبسم گورگانوی نے حضرت آرزو لکھنوی کے اس مصرعہ پر

ع　شمع آئی تو تھی بس گھر گئی پروانوں میں

اعتراض کرتے ہوئے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے اخبار ''روزانہ ہند'' میں ایک مضمون شائع کرایا تھا۔ اس وقت مولانا اسحاق امرتسری جیسے اعلیٰ پائے کے ناقد اسی اخبار سے منسلک تھے۔ اس بحث میں وحشت کلکتوی نے آرزو لکھنوی کی حمایت کی تھی۔ گورگانوی کا کہنا تھا کہ محفل میں شمع آتی نہیں بلکہ لائی جاتی ہے۔ اس لئے زبان کے اعتبار سے مصرع غلط ہے۔ علامہ وحشت اور مولانا اسحاق امرتسری نے کہا کہ آرزو لکھنوی کے اس مصرع میں کوئی سقم

نہیں اس لئے تبسم صاحب کا اعتراض بالکل لوچ ہے۔ تبسم کا یہ شعر حاضرِ خدمت ہے :

تبسم شاعروں میں وہ گرو گھنٹال ہوتا ہے کہ جس کی پارٹی مشاق ہو ہلڑ مچانے میں

مرتضیٰ حسین ٹسن

ٹسن صاحب ایک معروف ہزل گو شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ آپ مزاحیہ وطنزیہ کلام کہنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ان کے طنز ومزاح میں ابتذال کے پہلو بھی نمایاں تھے۔ محفل میں کلام سنانے کے بعد بھی سامعین کے اصرار پر انھیں زحمتِ سخن دی جاتی تھی۔ ان کے بہت سے اشعار آج بھی ادب نوازوں اور شاعروں کو یاد ہیں۔ وہ انھیں اکثر وبیشتر دہراتے رہتے ہیں۔ ٹسن صاحب جب محفل میں کلام پیش کرتے تو محفل میں واہ واہ کے نعرے گونجنے لگتے۔ آخری عمر میں آپ مشرقی پاکستان چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ اسی سرزمین پر تدفین ہوئی۔ آپ ٹپنکی تھے۔ اس کا اظہار ایک شعر میں یوں کرتے ہیں :

ٹسن اپنی ٹپنکی آنکھوں سے جب دیکھتا ہوں میں مری اک آنکھ کمسن اک جواں معلوم ہوتی ہے

غزل کا ایک مطلع پیش ہے۔ گرچہ اس میں ابتذال ہے لیکن اندازِ بیان اچھوتا ہے :

تیری محفل میں جسے دیکھا وہی ناپاک تھا آتشک تھی شمع کو پروانے کو سوزاک تھا

ایک قطعہ پیش خدمت ہے :

وہ نگاہیں سرگیں و شرگیں اک نظر میں مصحفِ دل لے اڑیں
چار آنکھیں کس طرح ہوتیں ٹسن میرے ان کے پونے چار آنکھیں ہوئیں

سلیم اللہ فہمی

سلیم اللہ فہمی صاحب رضا علی وحشت کے عزیز تلامذہ میں تھے۔ طویل عرصہ تک مٹیا برج میں قیام پذیر رہے۔ بعد ازاں زکریا اسٹریٹ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ انھیں صحافت سے گہری دلچسپی تھی۔ اس لئے روزنامہ ''عصرِ جدید'' کلکتہ، کے لئے لکھتے

رہے۔ مگر آپ اس ملازمت سے مطمئن نہ تھے اس لئے سبک دوش ہو کر ملازمت کی تلاش میں مشرقی پاکستان چلے گئے۔ وہاں آپ آل بنگال سول سروس کے اچھے عہدے پر فائز ہوئے۔ چوں کہ حوصلے بلند تھے اس لئے ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے کھلنا کے مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ اس کے بعد مشرقی پاکستان میں سکریٹری کے عہدۂ جلیلہ تک پہنچے۔ آپ مشرقی پاکستان کے چند معزز اور باوقار ہستیوں اور شعراء میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ کی وفات مشرقی پاکستان میں ہوئی۔ اسی سرزمین پر پیوندِ خاک ہوئے۔ فہمی کے اندازِ بیان میں ندرت، صفائی اور دل آویزی ہے۔ آپ کی شاعری درد و غم اور یاسیت سے پُر ہے۔ چوں کہ آپ کی نجی زندگی میں بہت سے نشیب و فراز آئے اس لئے ان کا اظہار بھی شاعری کے وسیلے سے کیا ہے جس میں صداقت اور سادگی ہے۔

نمونۂ کلام :

احساس جرم و خوف سزا، شرم ارتکاب — اتنے عذاب ایک گنہگار کے لئے

نظر کی وسعتوں پر منحصر ہے لطفِ نظارہ — یہی نقشِ جہانِ فانی یہی نقشِ جہانِ بانی

آدمی خود فریب ہے کتنا — عمر بھر دیکھتا ہے کیا کیا خواب

کس پہ دل کی نظر پڑی سلیم — جس کا کونین میں نہیں ہے جواب

دشتِ وحشت میں اسی کا لطف ہے — کچھ نہیں ہے اس میں پتھر سے لذیذ

کتنے قصے ہوں گے پیدا دیکھئے — آپ کیا سمجھے کہانی ہو چکی

عشق کی افسانہ خوانی ہو چکی — یہ کہانی اب پرانی ہو چکی

آب اس کا آبِ کوثر سے لذیذ — قند ہے اک اس کے خنجر سے لذیذ

ملک کی ہر چیز اچھی ہے سلیم — اس کے فاقے بھی مزعفر سے لذیذ

سیّد علی ظفر شمیم

سیّد علی ظفر شمیم ابن حکیم سیّد عابد علی طبیب کی ولادت ۱۹۲۴ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔

۱۹۴۳ء میں سینٹ زیوئرس کالج، کلکتہ سے گریجویشن کیا۔ شاعری میں آپ نے حضرتِ مائل لکھنوی سے کسبِ فن کیا۔ معروف قصیدہ گو سیّد علی ظفر شمیم نے نہ صرف قصیدہ نگاری میں اپنا مقام بنایا بلکہ غزل، رباعیات، سلام، نوحہ، منقبت، مرثیہ اور نظمیں بھی لکھیں۔ قصیدہ ان کی محبوب صنف تھی۔ انھوں نے قصیدہ نگاری میں اپنے فکر و فن کے جو نقوش چھوڑے ہیں انھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے سرورِ کائنات حضورؐ، حضرت علیؓ، حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت زین العابدینؒ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت زینبؓ کی ولادت مقدسہ کے موقع پر نعتیہ اور منقبتی قصائد کہے جس میں روانی، فصاحت اور والہانہ عقیدت کا بے پناہ اظہار ہے۔ سیّد علی ظفر شمیم کا تعلق لکھنو کی اعلیٰ تہذیبی و اخلاقی قدروں سے تھا۔ ان کی غزلوں میں روایت اور کلاسیکی ادب و آداب کے ساتھ ملتا ہے۔ آپ کو زبان و بیان اور قواعد پر قدرت حاصل تھی۔ اس لئے ان کی شاعری نہ صرف مٹیا برج بلکہ پورے مغربی بنگال میں پسند کی جاتی تھی۔ ابوالبیان مائل لکھنوی اور اثر ردولوی کے بعد آپ مٹیا برج کے سب سے معروف اور لائق احترام شاعر تھے۔ سیّد علی ظفر شمیم کے صاحبزادے سیّد علی نظر وسیم اپنے والد صاحب کے قصیدے کے محاسن اور فنی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :

''جو لوگ قصیدے کے فنی محاسن اور اجزائے ترکیبی سے بخوبی واقفیت رکھتے ہیں انھیں علم ہوگا کہ قصیدے میں گریز کا شعر کس کلیدی اہمیت کا درجہ رکھتا ہے۔ والد محترم کے قصیدے سے گریز کا ایک شعر پیش ہے جس میں انھوں نے اپنے ممدوح حضرت امام حسینؓ کی طرف کتنی باریکی اور بلند پردازی سے کام لیا ہے :

خونِ جگر کا رنگ گلوں میں سما گیا

● سرخی ہے آج چاروں طرف کائنات میں''

قصیدے کے شعر میں گریز کی فنی خوبیوں کا اندازہ صرف شعراء لگا سکتے ہیں کیوں کہ قصیدے کے اشعار زبانی اور فنی اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں جس کے سبب یہ صنف بار بار توجہ کا تقاضا کرتی ہے تب اس کی باریکیاں اور تہیں کھلتی ہیں۔

نمونۂ کلام :

وجد میں لوح و قلم ہیں جھومتا ہے آسمان　　زینتِ افلاک میں تو نے اضافہ کردیا
تیرے اک خطبے میں ہے تخلیقِ عالم کا نچوڑ　　تیرے دو لفظوں میں ہے مضمر تمدن کی کتاب

خرد کی دولت سے میں غنی تھا غرور تھا سر میں آگہی کا
نبیؐ کی چوکھٹ نظر جو آئی تو شوق ابھرا گداگری کا

زمانہ فیصلہ کر لے مقدر کس کا اونچا ہے　　فلک نے پاؤں چومے ہیں زمیں نے سر کو چوما ہے
کیا ہے نور نے اتنا تصرف جسمِ خاکی پر　　نہ پیکر ہی کا سایہ ہے نہ زلفوں ہی کا سایہ ہے

شمیم صاحب ایک اعلیٰ پائے کے قصیدہ نگار ہی نہیں تھے بلکہ انھوں نے اپنی غزلوں کو بھی نئے انداز اور خوبیوں سے آراستہ کیا ہے :

ڈرتے ہیں ہم کہ آگ نہ لگ جائے چار سو　　ورنہ دکھاتے فکر کے دریا بہا کے ہم
دیتے ہیں درسِ فکر و نظر دہر کو شمیم　　فرماں روا ہیں سلطنتِ ارتقا کے ہم
ایسے حسین سینے میں پتھر سا ایک دل　　قائل نہیں ہیں جائیے ایسے خدا کے ہم
کوئی جاہل کسی عالم کا ہمسر ہو نہیں سکتا　　جو کنکر ہو وہ گوہر کے برابر ہو نہیں سکتا

تپش ہے روح میں آہیں نکلتی ہیں مرے دل سے
لگی ہے آگ دریا میں دھواں اٹھتا ہے ساحل سے

مظہر انصاری

اردو کے معروف، ممتاز، ترقی پسند شاعر مظہر انصاری کی ولادت محمد اسمٰعیل صاحب کے گھر ۱۹۲۲ء کو ضلع نالندہ کے ایک گاؤں چکدین (بہار) میں ہوئی۔ تلاشِ معاش میں آپ نے کلکتہ کا رُخ کیا۔ اس وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی۔ یہاں آپ نے ایک دکان میں ملازمت اختیار کر لی۔ رات کا بیشتر حصہ کتابوں کی ورق گردانی میں گذرتا۔ ۱۹۴۱ء میں بھوانی پور کے قاضی پاڑہ میدان میں حضرت علامہ رضا علی وحشت صاحب کی صدارت میں ایک شاندار

مشاعرے کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں مظہر انصاری نے بھی ایک غزل پیش کی تھی۔ مطلع تھا:

وہ دن آئے گا جب آزاد یہ ہندوستاں ہوگا

تو صدقے اس کی رعنائی پہ فردوسِ جناں ہوگا

۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فساد میں آپ کا سب کچھ لٹ گیا۔ گھر کا سامان نذرِ آتش کر دیا گیا۔ آپ قلاش ہو گئے۔ اس بھیانک آگ میں علم وادب، انسانیت، شرافت تمام چیزیں جل کر راکھ ہو گئیں۔ ان دنوں آپ بھوانی پور میں قیام پذیر تھے۔ جب حالات سازگار ہوئے تو مایوس ہو کر مٹیا برج ہجرت کر گئے جہاں آپ کا مستقل قیام رہا۔ ۱۹۳۹ء میں مظہر صاحب نے شاعری کا آغاز نظم گوئی سے کیا تھا۔ چوں کہ آپ عالمِ شباب سے ہی اشتراکی نظریات رکھتے تھے اس لئے آپ کی بیشتر نظموں کے موضوعات سیاسی وسماجی ہیں۔ مسلم لیگ کے خلاف ان کی پہلی نظم مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے اخبار ''ہند'' میں شائع ہوئی۔ عنوان تھا ''مسلم لیگ میں کیا دیکھا''۔ دوسری نظم بجنور کے اخبار ''مدینہ'' میں شائع ہوئی۔ مطلع تھا:

وطن کی محبت میں سرشار ہو کر مقدس وطن کا پرستار ہو کر

نظم ''مسلم لیگ میں کیا دیکھا'' کی اشاعت پر مسلم لیگ کے حامیوں نے سخت احتجاج کیا۔ ان کے خلاف اخبار میں مراسلے لکھے گئے۔ جب مراسلہ بازی کا سلسلہ بند ہوا تو اخبار مذکور کے مدیر اور معروف مجاہد آزادی مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے اپنے اخبار میں معترضین کو دندان شکن جواب دیا۔ اسی دوران آپ کی مشہور نظم ''سرخ پھول'' منظر عام پر آئی جو اشتراکی نظریات کی ترجمان تھی۔ نظم کا ایک ہی شعر دستیاب ہو سکا:

ایسے مومن کی ضرورت ہے جو وقتِ کارزار

خون کے چھینٹوں کو سمجھے آمدِ فصلِ بہار

مظہر انصاری نہ صرف بلند پایہ شاعر تھے بلکہ انھیں نثر نگاری میں بھی ملکہ حاصل تھا۔ ان کی نثری تخلیقات ملک کے نامور اخبارات میں شائع ہوتی تھیں۔ ۱۹۵۰ء میں جب کلکتہ میں ''انجمن ترقی پسند مصنفین'' کی تنظیم قائم ہوئی تو مظہر صاحب اس تنظیم میں اردو اور ہندی

کے شعبوں کے سکریٹری نامزد کئے گئے۔ان کی ادبی وعلمی خدمات کا اندازہ ان کے کاموں اور کارناموں سے کیا جاسکتا ہے۔مغربی بنگال اردو اکیڈمی کے قیام کے لئے انھوں نے بڑی جدوجہد کی۔وہ اردو زبان کی ترویج وترقی کے لئے ہمیشہ فکرمند رہے۔اپنے گاؤں چکدین میں''چکدین ہائی مدرسہ'' کی بنیاد ڈالی۔وہاں ایک ہائی اسکول کی تعمیر میں بھرپور تعاون کیا۔آپ''چکدین مسلم ایسوسی ایشن'' کے بانی اور روح رواں تھے۔اردو کا یہ جاں باز سپاہی زندگی کے آخری ایام میں کینسر جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہوکر ۵/فروری ۱۹۸۹ء کی شب ابدی نیند سوگیا۔

نمونۂ کلام :

میں نے تو سمندر کو کئی بار نچوڑا اس بار مرا ہاتھ بٹاؤ تو کریں بات

مری آنکھوں نے کیا کھویا ترے جلووں نے کیا پایا

حسابِ دوستاں دل ہی میں رہ جائے تو اچھا ہے

اختر سازؔ لکھنوی

اختر سازؔ صاحب کے آباواجداد ۱۸۵۷ء کے غدر میں لکھنو سے مٹیا برج چلے آئے اور مستقل سکونت اختیار کرلی۔اختر صاحب کی شاعری کا آغاز ۱۵/سال کی عمر سے ہوا۔ان دنوں ہمایوں مٹیا برجی، علامہ اثرؔ ردولوی اور مائلؔ لکھنوی جیسے باکمال شعراء کا شہرہ تھا۔آپ استاذ الفنون علامہ اثرؔ ردولوی، مائلؔ لکھنوی اور قیسؔ رامپوری سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ ۱۹۴۲ء سے آپ نواب جمشید مرزا جانشین حضرت ہمایوںؔ مٹیا برجی سے باقاعدہ کسبِ فن کرنے لگے۔موزونیٔ طبع اور استاد کی خاص توجہ نے آپ کو فنِ شاعری اور رموز ونکات کی تعلیم سے آراستہ کیا جس کے سبب شاعری روز افزوں نکھرتی گئی۔آپ کو اردو، فارسی اور انگریزی زبانوں پر اچھی دسترس حاصل تھی۔آپ نے انگریزی اور فارسی کے کئی مضامین کا اردو میں ترجمہ کیا۔بحیثیت ایک مترجم ایک عرصہ تک ممبئی کی ایک دینی درس گاہ میں کام

کرتے رہے۔ سازؔ صاحب نے غزل، قصائد، نعت، سلام، نوحہ اور مرثیہ پر بھرپور طبع آزمائی کی۔ اخترؔ صاحب اپنے عہد کے زندہ دل، خوش فکر اور فن شناس شاعر تھے۔ شاعری کی زبان نرم و شریں اور لطیف ہے۔ روانی، سادگی، سلاست اور پاکیزگی ان کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔ آپ کی زبان میں لکھنؤ کی نزاکت اور چاشنی ملتی ہے۔ ان کے شاگردوں کا حلقہ وسیع تھا۔

نمونۂ کلام :

ذرا تقدیر کا چکر تو دیکھو — وہیں پر ہوں چلا تھا کل جہاں سے
سب چھوڑ چلے مجھ کو تری یاد میں صد حیف — آنکھوں سے رواں اشک ہیں اور آہ، جگر سے
اغیار بھی ہیں بزم میں اس وقت کم از کم — شرمندہ نہ کیجئے گا کہیں ظرفِ نظر سے
مایوس ہے کوئی، کوئی شاداں سرِ محفل — دو کام وہ لیتے ہیں بیک وقت نظر سے
ہیں بے حساب گہر دامنِ چمن میں مگر — کسی کو ایک درِ شبنمی نہیں ملتا
کہاں میں اور کہاں وہ مرا آغوش — فروغِ مئے کا کرشمہ ہے معجزہ کیسا
تری ہستی سے ہے شرمندہ ساغروں کی کھنک — نوائے سازؔ سے اس کا مقابلہ کیسا
ہزار دکھ ہیں مگر ہنس کے ٹال دیتا ہے — دلِ تباہ نے پایا ہے حوصلہ کیسا؟
جنوں ٹھہر تو میں دیکھوں وہ مہرباں ہے کون — بہت قریب سے کس نے مجھے پکارا ہے

خمارؔ دیوبندی

خمارؔ صاحب دیوبند سے مٹیا برج آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ آپ ماہرِ فن استاد شاعر تھے۔ آپ کے قصائد برسوں مٹیا برج کی محفل قصیدہ خوانی میں پڑھے گئے۔ گرچہ آپ غزلیں اور نظمیں بھی کہتے تھے لیکن قصیدہ نگاری میں آپ کے فن کے جوہر دیکھنے کو ملے۔ آپ استادِ فن شاعر علامہ ابولبیان مائلؔ لکھنوی کے عزیز تلامذہ میں تھے۔ مٹیا برج کی نئی نسل کے کئی شاعر آپ کے دامنِ تربیت میں پل کر جواں ہوئے۔ حلقۂ اربابِ سخن

شکیل مٹیابرجی 60
مرزا محمد شاکر 61
مخبر مٹیابرجی 63
گودڑ شاہ معروف 64
ڈاکٹر عبدالرؤف 65
سلیم مٹیابرجی 66
پرنس انجم قدر 67
افسر اقبال 68
حلیم نجم آروی 69
کیف الاثر 71
محرم لکھنوی 72
سراج مونگیری 73
جمال احمد محشر 75
انجم باروی 76
جذب آنولوی 77
راقم لکھنوی 79
بقا نظامی 80
شمس مٹیابرجی 81
تسکین انصاری/ فاروق شفق 83
ڈاکٹر شمیم انور 85
مشتاق جاوید 87
کمتر عظیم آبادی 89
کوکب قدر سجاد میرزا/ ایم. کے. اثر 91
ڈاکٹر محفوظ حسن رضوی پنڈرک 94
دانا سکندر پوری 95
عبدالشکور شاکر 96
عبدالستار آبد 97
ہارون شارب 98
بسمل یوسفی 99

میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ ایک خوش فکر شاعر، نیک سیرت اور مخلص انسان تھے۔ شاگردوں کے کلام پر اصلاح دیتے وقت مناسب ردو بدل پر توجہ دیتے اور فنی باریکیوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔

نمونۂ کلام :

مقدر اہلِ عالم کا کبھی یوں بھی سنورتا ہے
تصور آرزوئے نقشِ پا سے مانگ بھرتا ہے

نگاہ لطف ہوجائے خمارِ سوختہ جاں پر
نہ جانے کب جلا تھا دل بدن اب تک لہرتا ہے

ازل سے تا ابد مشعلِ ہدایت ہے
وہ ایک سجدہ جو یارب تری امانت ہے

نظر کا حسن مسلم بقدرِ ظرفِ نظر
دل اپنے حسن میں آئینۂ بصیرت ہے

جبیں کا راز ہے جس کی ادا محبت ہے
شعور ہو تو شریعت نہیں تو بدعت ہے

عمل کی مقصدیت جب علم بردوش ہوتی ہے
دو عالم لکھ دیئے جاتے ہیں دیوانوں کی قسمت میں

بقدرِ ظرف ہی کرتے ہیں جلوے اپنی عکاسی
مقاصد امتحاں لیتے ہیں ہر انساں کی نیت کا

صدائے کن تو حجاباتِ ہست و بود میں ہے
بس اک سوال حقیقت میں آدمی کیا ہے

تعینات کے پردے اٹھائے جائیں گے
بتائی جائے گی رسمِ پیمبری کیا ہے

کمالِ جذب کی منزل اسی سے رخشندہ
یہی قعود میں خم ہے یہی سجود میں ہے

شکیل مٹیا برجی

نام محمد یوسف تخلص شکیل مٹیا برجی ولدیت حاجی عبدالرحیم ولادت ۱۹۰۷ء کو بلیا (یو. پی.) میں ہوئی۔ آپ استاد فن علامہ ہمایوں مٹیا برجی سے مشورۂ سخن کیا کرتے تھے۔ استاد کی شفقت اور خاص توجہ کا فیض تھا کہ جلد ہی ایک ممتاز شاعر کی حیثیت سے آپ منظرِ عام پر آئے۔ بہت جلد شکیل صاحب کا شمار نامور اساتذہ میں ہونے لگا۔ قصیدہ، نعت، منقبت اور غزل کہتے تھے۔ اردو، فارسی اور عربی کی اچھی واقفیت تھی۔ شکیل صاحب ایک قادرالکلام شاعر ہی نہیں بلکہ علم دوست اور ایک حکیم بھی تھے۔ شاعری پر ان کی گرفت ایسی

تھی کہ جس صنفِ سخن پر قلم اٹھاتے وہ مثالی ہوتا۔ آپ کے کلام میں سادگی، روانی اور لطیف احساسات کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ ۱۹ر جون ۱۹۸۲ء کو اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔ شکیل صاحب کے ہونہار شاگرد اور قدرداں شاعر و معروف گلوکار یونس پرویز صاحب کے توسط سے جو اشعار دستیاب ہوئے، حاضرِ خدمت ہیں :

نمونۂ کلام :

پھیلی ہے ضیائے حسنِ ازل گل کر دو چراغِ محفل کو
وہ صاحبِ محفل آتا ہے جو نور بناتا ہے دل کو

بیخودی میں جب کہ ٹوٹی بندشِ قیدِ وجود
میں یہ سمجھا لن ترانی میری ہی آواز تھی

اے شمعِ بزم تو تو جلی جل کے بجھ گئی
لیکن دلِ شکیلؔ جلا اور بجھا نہیں

بڑھاپا سوزِ غم ہے اور اشکوں کی روانی ہے
یہاں تو آگ نے اپنا لیا ہے آج پانی کو

زمیں ہوتی، فلک ہوتا، ملک ہوتے، خدا ہوتا
اگر ہم ہی نہ ہوتے آج دنیا میں تو کیا ہوتا

شکیلؔ اس وقت رحمت میرے دامن سے لپٹتی ہے
سکوں دیتا ہے جب غم اضطرابِ زندگانی کو

تری دنیا میں کوئی شئے گر پسند آئی مجھے
ہاں پسند آئی ترے کوچے کی رسوائی مجھے

کون روکے مرے عصیاں کی بخشش سے تجھے
اے خدا میرے خدا تیرا خدا کوئی نہیں

حرم میں مخصوص کیوں ہو آخر کہاں وہ جلوہ فگن نہیں ہے
میں دیکھتا ہوں کہ اس سے خالی یہاں کوئی انجمن نہیں ہے
محبت میں ساعت گذرتی ہے ایسی جو اظہار کرنے کے قابل نہیں ہے
کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے مجھ کو کہ سینے میں لرزش ہے اور دل نہیں ہے

مرزا محمد شاکرؔ

نام محمد مرزا، تخلص شاکرؔ۔ آپ کی پرورش علمی اور مذہبی ماحول میں ہوئی۔ آپ نے قصائد، غزل، مرثیہ، منقبت، نوحہ، سلام، قطعات اور رباعیات کو مشقِ سخن بنایا۔ ان اصناف پر آپ نے پانچ سو سے زائد کلام کہا۔ شاعری میں آپ کو جن عظیم شعراء سے کسبِ فن کا شرف

حاصل تھا، ان میں علامہ رضا علی وحشت، علامہ آرزو لکھنوی اور ہمایوں مرزا بر جی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ڈاکٹر زہرا ممتاز رقم طراز ہیں :

''شاکر مرحوم کے سلام، قصائد جو خالص مذہبی ہیں ان کے ایک پختہ مذہبی انسان ہونے کی دلیل ہیں۔ سارا کلام زبان کی سادگی، روانی اور برجستگی کا آئینہ ہے۔ عام طور پر عربی کے الفاظ یا ثقیل الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرتے اور آسان لفظوں میں اپنے خیالات کو نظم کرنا بہتر تصور کرتے تھے۔''

شاکر صاحب کو بچپن ہی سے اپنی ذمہ داریوں کا احساس رہا۔ حتیٰ کہ موروثی جائداد اور اسٹیٹ کی نگرانی بھی آپ کے نحیف شانے پر تھی جنھیں انھوں نے انتہائی ذمہ داری سے نبھایا۔ ایمانداری اور جاں فشانی کے سبب فردوس محل امام باڑہ میں مینیجر کے عہدے پر فائز کئے گئے۔ مرشد آباد امام باڑہ کی ذمہ داری اور نگرانی بھی آپ کو سونپی گئی۔ بعد ازاں منیجر کا عہدہ دیا گیا۔

نمونۂ کلام :

نعتیہ قصیدہ

ہیں نور کے دو ٹکڑے صورت میں جدا گانہ میں شیشہ کہوں کس کو، کس کو کہوں پیمانہ
ظاہر میں سبز رنگت، باطن میں سرخ روئی برگِ حنا کا دیکھو اعجاز غائبانہ
جس خاک کو کہتے ہیں سب خاکِ شفا شاکر
مجھ کو اسی مٹی سے بنوانا ہے پیمانہ

غزل

ملالوں کس طرح شرمائی آنکھیں ان سے اے شاکر
کہ اک تنکے کا بھی احسان سر پر بار ہوتا ہے

بہانہ آپ کو اب تو میرے ملنے کا ہاتھ آیا مسیحا آپ کا ہونا مرا بیمار ہو جانا
مری آنکھوں نے کیا کھویا ترے جلووں نے کیا پایا حسابِ دوستاں دل ہی میں رہ جائے تو اچھا ہے

منقبتِ علی

خدا کا کون ہے کعبہ میں مہماں کون دیکھے گا — علیؑ کا مرتبہ اور شانِ ایماں کون دیکھے گا
سبھی دنیا میں دعویٰ دار ہیں حقِ خلافت کے — غرض یہ ہے غدیرِ خم کا میداں کون دیکھے گا
عدو یہ کہہ کے بھاگے جا رہے ہیں جنگِ خیبر سے — علیِ مرتضیٰ کی تیغِ بُرّاں کون دیکھے گا

مخبر مٹیا برجی

نام سیّد محمد صادق الرضوی، تخلص مخبر، ولادت ۳۰ر جولائی ۱۹۰۷ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ علامہ مائل لکھنوی سے اصلاحِ سخن لیا کرتے تھے۔ آپ نے بالخصوص قصیدہ، مرثیہ، نوحہ اور غزل جیسی اصنافِ سخن پر خاص توجہ دی۔ چوں کہ مٹیا برج میں اعزاداری کی مجلسوں کی روایت رہی ہے اس لئے ان محفلوں میں شریک ہو کر ائمہ اطہار کی شان میں کلام پڑھا کرتے تھے۔ آپ ایک اچھے ذاکر بھی تھے۔ ان کا شمار مغربی بنگال کے ممتاز خطیبوں اور ذاکروں میں ہوتا تھا۔ زبان و بیان پر روایتی اور کلاسیکی رنگ نمایاں ہے۔ آپ کے فرزندِ عزیز، شاعر و صحافی سیّد علی محمد شہید صاحب نے والد مرحوم کے نوحوں کا ایک مختصر انتخاب شائع کیا ہے۔ مٹیا برج کے کہنہ مشق اور استاد شاعر مخبر صاحب کی وفات ۱۹۸۵ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ نوحوں اور مرثیوں کے شعر پیشِ خدمت ہیں :

شانِ حسینؑ خالقِ اکبر سے پوچھئے — حیدرؑ سے فاطمہؑ سے پیمبرؐ سے پوچھئے
یوں ہیں حسینؑ لاشۂ اصغر لئے ہوئے — جیسے صدف ہوں گود میں گوہر لئے ہوئے
کیوں کر ضعیف باپ نے کھینچی سنانِ ظلم — صبرِ حسینؑ شام کے لشکر سے پوچھئے
مومن وہی ہے مخبر مومن اسی کو سمجھو — الفت کرے جو دل سے شہنشہ زمن سے
انتہائے انقلابِ دہر ہے یہ الحذر — سر کھلے دیکھے زمانہ مالکِ تطہیر کو
دفن کر کے علی اصغر کو جو روئے شہِ دیں — بن گئے تربت شبیر کی چادر آنسو
آیۂ تطہیر جس کی شان میں نازل ہوئی — قبر ہے محتاج چادر اس کا کنبہ ہوگیا

گودڑ شاہ معروفؔ امیٹھوی

معروف صوفی شاعر محمد عارف عثمانی صاحب کا تخلص معروفؔ تھا۔ آپ جید بزرگ نصیر الدین عثمانی کے لختِ جگر تھے۔ آپ کی ولادت ۱۸۶۱ء کو قصبہ امیٹھی، اتر پردیش میں ہوئی۔ آپ کے مریدوں کی خاصی تعداد چوں کہ مٹیا برج میں تھی اس لئے سال کے بیشتر مہینے یہیں قیام فرماتے۔ آپ کے معتقدین میں معروف صوفی شاعر و صاحبِ کتاب بقاؔ نظامی صاحب کا بھی شمار ہے۔ اُن دنوں مٹیا برج میں ایک ادبی تنظیم ''معروف نظامی'' قائم تھی۔ اس انجمن کے زیر اہتمام حضرت گودڑ شاہ کی مختصر سوانح مع نمونہ کلام ۱۹۶۴ء میں بقاؔ نظامی صاحب نے ترتیب دے کر شائع کیا تھا جس کا نام ''مطلوب القلوب'' ہے۔ آپ کے مریدوں کی اچھی خاصی تعداد ہندستان کے مختلف شہروں کے علاوہ بنگلہ دیش اور پاکستان میں بھی موجود ہے۔ ان کے مریدین نے معروفؔ صاحب کے نام سے خانقاہیں اور تنظیمیں قائم کیں۔ جہاں ہر سال آپ کا عرس نہایت عقیدت سے منایا جاتا ہے۔ صوفی منش ہونے کے باوجود شعر و شاعری سے والہانہ عشق تھا۔ اردو، ہندی اور فارسی تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ آپ نے غزل، منقبت، قطعات لکھے۔ بالخصوص نعتیہ کلام لکھنے پر اچھی دسترس حاصل تھی۔ ان کے نعتیہ کلام کی شہرت دور دراز تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کے نعتیہ قصائد کے اشعار میں پاکیزہ اظہار، زبان کی پختگی، شائستہ لب و لہجہ اور تصوف کا گہرا رنگ نمایاں ہے۔ عرفان عباس صاحب نے گودڑ شاہ معروفؔ کی شاعری پر اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

> ''معروف صاحب اپنے دور کے مقامی سطح پر اردو، ہندی اور فارسی کے اچھے شعراء میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کا کلام زبان و بیان کی صفائی، انداز کا اچھوتا پن، تصوف کی جھلک، متوازن اور معتدل لہجہ نعتوں میں پاکیزہ اظہار عقیدت وغیرہ کی خوبیوں سے مرصع ہے۔''

(''آپ تھے''، ص ۲۶۹)

نمونۂ کلام :

ساقیا تیرے کرم سے دور پر چلتا ہے دور — اور مئے توحید سے لبریز پیمانہ رہے
کیا کہوں معروفؔ کیا ہے میرے مرشد کا کرم — شمع سے وحدت کی روشن دل کا خلوت خانہ ہے
بے نیازی ہے اسی یار کی تم میں معروفؔ — صرف دکھلانے کو ڈالا ہے یہ پردہ اپنا

ڈاکٹر عبدالرؤف

ڈاکٹر عبدالرؤف صاحب کے والد ولی محمد صاحب آبائی وطن اعظم گڑھ سے ترکِ وطن کر کے مٹیا برج چلے آئے تھے۔ان کی ولادت ۱۹۲۶ء کو موضع چھپرہ تھانہ مدھوبن ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی۔آپ کی تعلیم و تربیت مٹیا برج میں ہوئی۔۱۹۴۲ء میں مٹیا برج ہائی اسکول سے میٹرک کے امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد ایم.اے.ڈاکٹر آف فلاسفی اور ڈی.لٹ.کی اعلیٰ اسناد حاصل کیں۔آپ نے ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۰ء تک روزنامہ ہند اور آزاد ہند میں صحافی کی حیثیت سے کام کیا۔چند برسوں تک مٹیا برج ہائی اسکول میں معلم کی حیثیت سے درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔۱۹۵۸ء میں محسن کالج، ہگلی میں لکچرار ہوئے۔ اس کے بعد کلکتہ یونیورسٹی میں پروفیسر کے عہدے پر فائز ہو کر علمی خدمات انجام دیتے رہے۔آپ کی تصانیف میں ''تلاشِ بسیار، مغربی بنگال میں اردو کا لسانیاتی ارتقا، میر باقر مخلص مرشد آبادی اور اسرارِ تصوف'' شامل ہیں۔آپ کی ادبی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مشہور امریکی شاعر والٹ وھٹمین کی ۲۱ نظموں کا اردو میں ترجمہ کیا۔آپ نہ صرف اعلیٰ پائے کے نثر نگار ہیں بلکہ اچھے شاعر بھی ہیں۔آپ نظمیں اور غزلیں بھی کہتے ہیں۔

نمونۂ کلام :

دیوارِ زندگی میں نظر آرہے ہیں در — اب اس سے آگے کیا کوئی شوریدہ سر کرے
ملتا ہے ہر قدم پہ یہاں ایک آستاں — کس کس کی سجدہ جوئی سے انکار سر کرے
دیر و حرم اِدھر بھی بڑھے آرہے ہیں آج — دیوانہ دشت چھوڑ کے اب رُخ کدھر کرے

بیدار نہ کرتا ہو جو انساں کی خودی کو فرسودہ ہے وہ فلسفہ واعظ ہے وہ بیکار
انسانیت کی قدر جو مٹتی ہے تو مٹ جائے دستارِ فضیلت کو سروکار نہیں ہے

سلیم مٹیا برجی

نام شیخ عبدالسلام، قلمی نام سلیم مٹیا برجی، ولدیت بدھو خلیفہ۔ پیدائش ۱۹۱۴ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ شاعری کا آغاز ۱۹۳۵ء میں کیا۔ ابتدائی دنوں میں علامہ ہمایوں مٹیا برجی اور ان کے انتقال کے بعد سیّد علی ظفر شمیم کے آگے زانوے ادب تہہ کیا۔ آپ نے اردو کے مروجہ اصنافِ سخن پر قلم اٹھایا ہے لیکن ان کی شاعری کا بڑا سرمایہ غزلیں اور نظمیں ہیں جو ابتدائی دنوں کی رومانی شاعری کا ایک خوبصورت حصہ ہیں جن میں احساسات و جذبات کی فراوانی اور حسن و عشق کے تذکرے ہیں۔ ایک کتابچہ ''نغماتِ عرفانی'' اور ایک شعری مجموعہ ''افکارِ سلیم'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ آپ کی شاعری میں جدید شاعروں کی طرح مسائل اور نئے تقاضوں کا ذکر عنقا ہے کیوں کہ آپ کی شاعری کا رنگ و آہنگ اور مزاج روایتی ہے۔ اس لئے زیادہ تر عشقیہ مضامین اور معاملاتِ حسن و عشق ہی کو نظم کرتے تھے مگر اندازِ بیان اور اسلوب دلکش ہے۔

نمونۂ کلام :

گرمیٔ ذوقِ عمل میں زندگی ہے اے سلیم سینۂ شاعر میں پیہم کار فرما آگ ہے
نئی اک زندگی بخشی ہے مجھ کو جس تبسم نے وہی تیری ادا میرے لئے قاتل نہ بن جائے
ابر میں برقِ تبسم آج تک بیتاب ہے کس کی زلفوں کے بکھر جانے سے پیدا آگ ہے
یہی ہے شرطِ محبت تو فطرتِ واعظ شراب پی کے پلاؤ تو کوئی بات بنے
اسے تنکا سمجھ کر ہائے تم نے پھونک ہی ڈالا چھپا کر رکھی تھی ہم نے دل کی دنیا آشیانے میں
دل مرا فکرِ سخن میں آئینہ خانہ ہوا شاعری ہے حسن کے جلوؤں میں کھو جانے کا نام
ادب سے سر جھکاتے ہیں فرشتے وجد میں آکر بڑھا دی سنگِ اسود نے بہت توقیر پتھر کی

بڑی محنت سے تنکے چن کے ہم نے گھر بنایا ہے چمک کر برق نے دم بھر میں پھونکا آشیاں میرا

نواب پرنس انجم قدر

پرنس انجم قدر نبیرۂ واجد علی شاہ اختؔر کی پیدائش ۱۹۲۱ء کو لکھنو میں ہوئی۔ آپ ایک فعال قومی وملّی قائد، اتحاد بین المسلمین کے روح رواں' اچھے انشاء پرداز اور بے باک مقرر تھے۔ آپ قومی وملّی مسائل پر کھل کر اظہار کیا کرتے تھے۔ آپ کے مضامین ملک و بیرونِ ملک کے موقر اخبارات و جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ ان کی نثری صلاحیت کا اعتراف ملک کے قد آور مذہبی وسیاسی رہنما اور اردو زبان کے دانشوروں نے بھی کیا ہے۔ چوں کہ ادبی ذہن کے مالک تھے اس لئے ادباء اور شعراء کی قدر کیا کرتے تھے۔ آپ شاعر نہیں تھے لیکن شعر وادب پر اچھی گرفت تھی۔ آپ اعلیٰ پائے کے نثر نگار تھے۔ اردو' فارسی اور عربی زبان پر قدرت کے ساتھ انگریزی پر بھی مہارت رکھتے تھے۔ آپ کی تحریروں میں سیکولر ذہنیت' مذہبی رواداری اور وسیع النظری ملتی ہے۔ آپ کے مضامین میں ملت اسلامیہ کے مسائل کے ساتھ حب الوطنی اور اخلاقی قدروں کی پاسداری ملتی ہے۔ خواہ وہ چاندمل چوپڑا کے قرآن کی بے حرمتی کا معاملہ ہو' سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین کی خرافات' بنارس کے قبرستان کے شیعہ سنّی جھگڑے کا مسئلہ ہو' مسلم پرسنل لا کا مقدمہ ہو یا بابری مسجد کی شہادت کا دلدوز سانحہ، آپ ہر محاذ پر اپنی تقریر یا نوکِ قلم سے صفحات سیاہ کرتے رہے اور اپنی آواز قوم وملت اور حکومتِ وقت تک پہنچاتے رہے۔ آپ نے بابری مسجد کے تنازعہ پر سپریم کورٹ میں مقدمہ دائر کیا تھا۔ آپ سبطین آباد امام ٹرسٹ کے چیئرمین تھے اور آپ کی زندگی میں شاہی امام باڑہ میں ملک کی مایہ ناز سیاسی' سماجی اور ادبی ہستیاں تشریف لایا کرتی تھیں۔ معروف مذہبی قائدین' سیاسی رہنما اور اردو ادب کی قد آور شخصیتوں نے انجم قدر کی علمی' ادبی' سماجی اور ملّی خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے فرمایا ''حقیقتاً پرنس انجم قدر عملی انسان ہیں۔ آپ کی

قدر ہونی چاہئے۔'' جناب سیّد شہاب الدین نے کہا'' آپ کے اتحاد بین المسلمین کا نظریہ قابلِ ستائش ہے۔'' مولانا عبداللہ بخاری نے آپ کو ملت کا خیر خواہ بتایا۔ عظیم افسانہ نگار قرۃ العین حیدر نے آپ کی تحریر کی ان الفاظ میں تعریف کی'' پرنس انجم قدر کی تحریر فرشتوں کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔'' آپ ملّی سطح پر کئی ممتاز علمی' سماجی اور مذہبی تنظیموں میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہے۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے صدر' بابری مسجد ایکشن کمیٹی کے چیئرمین' آل انڈیا سماج وادی پارٹی شاخ مغربی بنگال کے صدر' مسلم پرسنل لا بورڈ کے ممبر' علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ اور اقلیتی کمیشن میں اہم رکن کی حیثیت سے شمولیت رہی۔ آپ پندرہ روزہ اخبار ''نقشِ حیات'' کے مالک اور سبطین آباد گزٹ کے مدیر اعلیٰ تھے۔ مختلف شعبوں میں آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حیدر آباد کی ایک تنظیم پیپلس آرگنائزیشن فار نیشنل انٹیگریشن نے آپ کو بنجے گاندھی ایوارڈ سے نوازا۔ ۱۹۹۷ء کو قوم و ملت کا یہ رہنما ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے گیا۔ پرنس انجم قدر ملت اسلامیہ میں شیعہ سنّی اتحاد کے زبردست حامی اور قائد تھے۔

افسر اقبال

اصل نام افسر اقبال قادری، قلمی نام افسر اقبال ہے۔ والد محترم کا اسم گرامی خان رسول خان ہے۔ آپ کی ولادت ۱۹۲۹ء کو غازی پور (بہار) کے ایک گاؤں میر اشرف علی میں ہوئی۔ ادیب کامل (اردو) اور منشی فاضل (فارسی) کے امتحانات بالترتیب جامعہ اردو علی گڑھ، اکبر آباد تعلیمی بورڈ علی گڑھ سے پاس کئے۔ افسر صاحب ایک کہنہ مشق اور استاد شاعر ہیں۔ انھوں نے اردو ادب کے جن اساتذۂ فن سے اکتسابِ فن کیا ان میں علامہ سیماب اکبر آبادی، مائل لکھنوی، رنگ لکھنوی، جرم محمد آبادی اور حافظ یونس بلیاوی کے نام خصوصیت کے حامل ہیں۔ جسے ایسے قادر الکلام شعراء و اساتذہ کی صحبت نصیب ہوئی ہو اس کی شاعری بھی یقیناً اچھی ہوگی۔ آپ نے اولین دور میں غزلیں کثرت سے کہیں لیکن بعد

میں پوری توجہ مذہبی شاعری کی طرف صرف کی جس کے نتیجے میں انھوں نے نعتیہ قصائد، منقبت، سلام اور صوفیانہ کلام خوب کہے۔ چوں کہ تصوف کی طرف زیادہ رجحان تھا اس لئے عمر کا بیشتر حصہ دینی علوم کے مطالعہ میں گزارا۔ انھوں نے سلیس زبان میں تصوف کے مسائل کو اپنی شاعری میں خوش اسلوبی سے پیش کیا۔

افسر اقبال کے کردار میں سادگی و پاکیزگی ہے۔ وہ اخلاق و محبت کے پیکر، صوم و صلوٰۃ کے پابند انسان ہیں۔ آپ نام و نمود اور شہرت کی تمنا سے بے نیاز ہو کر خاموشی سے شعر و ادب کے گیسو سنوارنے میں مصروف ہیں۔ افسر اقبال کی شاعری ہم عصروں میں ایسی شاعری ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آپ کا شمار اساتذۂ فن میں ہوتا ہے۔

نمونۂ کلام :

نازاں ہوں اپنے سجدوں پہ یہ جانتے ہوئے
میری جبین کیا ہے ترا آستانہ کیا

ہم خاک نشینوں کو دیکھو نہ حقارت سے
رکھتے ہیں بلندی بھی ہم لوگ اسی پستی میں

گھروندے ریت کے دن بھر بناتے ہیں مٹاتے ہیں
یہ دیوانے یوں ہی بستی بساتے ہیں بیاباں میں

دینے والے کی اداؤں کے تصدق جایئے
دولتِ کونین ہے اور کاسۂ سائل میں ہے

آج تک سوجھی نہیں کوئی رہائی کی سبیل
آج بھی محصور آدم اپنے آب و گل میں ہے

مے خانے میں بھی ہم نے آداب حرم برتے
ہم کیسے بھلا دیتے اللہ کو مستی میں

حلیم ثمرؔ آروی

حلیم ثمرؔ آروی کی پیدائش ۱۹۲۸ء کو آرہ (بہار) میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام محمد مسلم ہے۔ آزادی کے بعد مٹیا برج کے بزرگ اور کہنہ مشق شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ شاعری کا آغاز ۱۹۵۰ء میں کیا۔ استاذ الفنون علامہ اثرؔ ردولوی اور مائلؔ لکھنوی کے آگے زانوے ادب تہہ کیا۔ بنیادی طور پر آپ خالص غزل کے شاعر ہیں لیکن منجملہ اصناف پر طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کا ایک شعری مجموعہ ''نقوشِ ثمر'' کے نام سے شائع ہوا جس میں آپ کی

کامریڈ محمد اسمٰعیل 100
نظام آروی/عزیز الحسنین ہاشمی 101
ڈاکٹر زہرا ممتاز/کبریٰ بیگم 102
محمد نظام شمیم/بدرالدین بدر 103
سعید کاشف 105
انور حسین انجم 106
یونس پرویز 107
حشمت کمال پاشا 108
ظفر العالم خطری/مولانا قاسم علوی 110
غلام معین 112
ڈاکٹر ساجدہ بانو/اصغر رضوی 113
ڈاکٹر عبدالوہاب پردیسی/خالد قمر 115
سیّد علی نظر وسیم 117
امان اللہ ساغر 118
علیم الدین علیم 119
ڈاکٹر محمد کاظم 121
ڈاکٹر شکیل اختر/حکیم وارثی 122
کشیشور 123
جتیندر وجیر 125
صادق رائے بریلوی 126
سیّد علی محمد شہید 127
عنایت اللہ سیف/سعید اعظمی 129
الیاس قریشی 130
اصغر ندیم نظامی 131
زاہد نظر 132
شارق رحمانی 133
مشتاق افضل 134
احمد سلطان قریشی 135
ڈاکٹر محمد شمیم عالم/شاہد حسین شاہد 137

غزلوں کا مخصوص مزاج اور رنگ و آہنگ ہے۔ چوں کہ مختلف علوم پر مطالعہ وسیع ہے جس کے سبب کلام میں گہرائی اور فکری و معنوی تہہ داریاں ملتی ہیں۔ جس میں عصری مسائل اور عصری تقاضوں کی عکاسی بھی ہے۔ آپ غزلوں کے اشعار میں نئی فکر اور نئے موضوعات کو ڈھالنے کا خوبصورت سلیقہ رکھتے ہیں۔ آپ نے قصیدہ کم کہا ہے لیکن جب بھی قصائد کہے ان میں خوبصورت مضامین اور شائستہ لہجہ اختیار کیا۔ آپ کی غزلوں میں وہ تمام خوبیاں اور خوش گوار تبدیلیاں پائی جاتی ہیں جن سے آج کی نئی غزل منسوب کی جاتی ہے۔ ان اشعار سے ان کے خاص تیور اور کلام کے حسن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ فاروق شفق رقم طراز ہیں کہ ثمر آروی کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے روایتی لفظوں اور تراکیب کو ایک نئی توانائی اور بانکپن بخشا۔ اسی طرح کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے پیش یا افتادہ لفظوں کو برتنے کے سلسلہ میں ہمیشہ اپنے ذہن کو ایک طرح کی تہذیب اور نظم وضبط کا پابند بنائے رکھا۔

نمونۂ کلام

زبان وادب کی خدمت کے ساتھ نئی نسل کی پرورش میں ثمر آروی صاحب کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

کاٹی گئی زبان دہن سی دیے گئے — آنکھوں کو انقلاب کا نعرہ دیا گیا
میں تمھیں ویسے بھی پہچانتا نہیں ہوں مگر — تمھاری باتوں میں گہرائیاں ہیں کون ہو تم
کون سا چھوٹا ہوا نقطہ ہے جو بنتا نہیں — الجھے الجھے ہیں یہاں اربابِ فن کس کے لئے
کہاں تک دے گا کاندھا کتنے انگارے سنبھالے گا — وہ مشتِ خاک ہے زنجیریں ساری توڑ ڈالے گا
ہمیں پر تنگ کی جاتی ہے جینے کی ہر اک کوشش — ہمیں سے واقعاتِ زندگی لکھوائے جاتے ہیں
جگمگانے لگا آنکھوں میں تیرا شہرِ جمیل — درد کا چاند اگا کرنوں کی شمشیر کے ساتھ
میرے افکار نے جب پہنے ہیں لفظوں کے لباس — رو پڑے ہنستے ہوئے لوگ بھی دیدار کے ساتھ

گھٹن کے آسیب کا ہے پھندہ خرد اسے کھولتی نہیں ہے
تڑپ رہا ہوں مدافعت میں زباں ہے چپ بولتی نہیں ہے
عظیم دروازہ ہائے خیبر کا وقت آیا اڑیں گے پرزے
نمایاں اب ذوالفقار ہوگی کھلے گا جوہر بھی حیدری کا

خدا کے بعد اور سب سے افضل خدا کا شہکار اور مکمل
نہ کر سکے گا کوئی بھی یہ دعویٰ نورِ حق کی برابری کا
غسلِ آتش کا تماشا تو دکھایا بھی گیا
کچھ بھرم رکھا گیا، زندہ جلایا بھی گیا
فضا میں پاؤں رکھنے کی ابھی سے تربیت کر لے
کہ اک اک خول میں پگھلا ہوا شیشہ وہ ڈالے گا

کیف الاثر

نام محمد یٰسین انصاری قلمی نام کیف الاثر ولدیت لعل محمد انصاری ولادت ۱۹۳۰ء کو لیچو بگان، مٹیا برج میں ہوئی۔ ۱۹۵۰ء سے آپ زبان وادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ استاذ الفنون علامہ اثر ردولوی سے شرفِ تلمذ حاصل ہے جس کے سبب انھیں علمِ عروض پر اچھی دسترس حاصل ہے۔ بنیادی طور پر آپ قصیدہ کے شاعر ہیں لیکن غزل، نظم، حمد، منقبت، نوحہ، رباعی، رخصتی، سہرا اور قطعۂ تاریخ بھی کہیں۔ قصائد کا ایک مجموعہ ''ارمغانِ لطیف'' شائع ہوا۔ اس کے علاوہ دو کتابچے ''شگفتہ منقبت'' اور ''جگرِ فاطمہ'' بھی منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ کیف الاثر کی غزلیہ شاعری روایت کی زنجیر نہیں توڑ سکی جس کے سبب جدید تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ نہ ہو سکی۔ لیکن ان کی غزلوں کے بعض اشعار میں جدید خیالات اور نیا لہجہ ملتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہو گی کہ انھوں نے غزل پر زیادہ توجہ نہ دے کر اپنی شاعری کا رخ پوری طرح مذہبی شاعری بالخصوص قصیدہ کی طرف موڑ دیا۔ اپنے خاص لب ولہجہ اور اسلوب کے سبب بحیثیت قصیدہ نگار اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ انھوں نے ابوالبیان مائل لکھنوی، سیّد علی ظفر شمیم اور شکیل مٹیا برجی کے بعد قصائد کی روایت کو زندہ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ کیف الاثر کے قصائد پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اعزاز افضل رقم طراز ہیں ''کیف الاثر فنی مسلمات سے انحراف نہیں کرتے۔ عروضی مطالبات اور صنفی روایات کی حد بندیوں کو نہیں

توڑتے تشبیب سے دعا تک قصیدے کے ہر جزو پر توجہ دیتے ہیں۔ نظر سیرتِ رسولؐ پر مرکوز دل حب رسول سے معمور زبان شستہ بیان شائستہ ہر مصرع تاثیر سے لبریز یہ جزان کو ملی ہے مداحِ رسولؐ کی۔''

نمونۂ کلام :

وفورِ درد سے کروٹ بدلنا سخت مشکل ہے — الٰہی کیا ہمارے سینے میں دونوں طرف دل ہے

کیوں کھیل نہ ہو میرے لئے طوق و سلاسل — اک عمر مری گذری ہے زنداں کی فضا میں

کیا اعتبار شیخ کا ہیں مصلحت پسند — ہوگی اگر غرض تو شوالے بھی جائیں گے

کیوں مجھ کو تم نے دودھ کا دھویا سمجھ لیا — انساں ہوں، پُر خطا ہوں، فرشتہ نہیں ہوں میں

دل کی نہ سن کے عقل سے کام کبھی لیا کرو — آگ بجھانا چھوڑ دو آگ لگا دیا کرو

جو لوگ خاک نشینوں کی بات کرتے ہیں — وہ جوہری ہیں نگینوں کی بات کرتے ہیں

میں کیوں دکھاؤں جو تحریر مٹھیوں میں ہے — اک انقلاب کی تفسیر مٹھیوں میں ہے

خاطر دوستاں کی بات آئے تو بہر التفات — سانپ کو بھی کبھی کبھی دودھ پلا دیا کرو

دھن ہے منزل کی تو منزل کی طرف بڑھتا جا — راہ میں سایۂ دیوار ملے یا نہ ملے

دور ہے لین دین کا سب ہیں ہوس میں مبتلا — ذہن ہی تاجرانہ ہے تم بھی لیا دیا کرو

درودِ دیوار و در پڑھیں گے تو سنگریزے بھی بول اٹھیں گے
ظہور امی لقب کے صدقے ملے گی تابِ سخن زباں کو

محرم لکھنوی

نام محرم علی ادبی نام محرم لکھنوی ولدیت محمد علی ولادت ۱۹۲۵ء کو گولہ گنج لکھنؤ میں ہوئی۔ شاعری کا آغاز ۱۹۵۴ء سے ہوا۔ آپ علامہ مائل لکھنوی کے چہیتے شاگردوں میں سے تھے۔ محرم نے ایک شعری مجموعہ ''ترسیل'' کے نام سے ترتیب دیا تھا لیکن کسی سبب سے اشاعت ممکن نہیں ہو سکی۔ برسوں ہفت روزہ اخبار ''صدائے حریت'' کے معاون مدیر رہے۔ محرم

صاحب خوش فکر اور خوش گلو شاعر تھے۔ خوبصورت ترنم نے آپ کو شہرت عطا کی۔ بیرونِ بنگال کے آل انڈیا مشاعروں میں بھی مدعو کئے جاتے تھے۔ محرم صاحب اپنی آواز سے سامعین کا دل جیت لیتے تھے۔ آپ معاشی جنگ لڑنے کے ساتھ گیسوئے اردو سنوارنے کی جدوجہد بھی کرتے رہے۔ چوں کہ ان کا تعلق مائل اسکول سے تھا اس لئے ان کی شاعری کا بیشتر حصہ روایتی اور کلاسیکی فکر و آہنگ کا غماز ہے۔ محرم صاحب کے زمانے میں ترقی پسند تحریک شباب پر تھی اس لئے ان کی غزلوں کے کچھ اشعار ترقی پسند خیالات و لفظیات سے متاثر نظر آتے ہیں۔

نمونۂ کلام :

حیاتِ خضر دے یارب میرے تحمل کو
شبِ فراق اگر مختصر نہیں ، نہ سہی

نہ صرف دیر و حرم بلکہ چڑھ کے دار پہ بھی
ترے پکارنے والے تجھے پکار گئے

ٹوٹ کر بھی سربلندی ملتی ہے طے کر لیا
سربلند اس شہر کی ٹوٹی عمارت دیکھ کر

کس لئے حفاظت کی آپ کے شوالے نے
کیا پناہ مانگی تھی آہ کرنے والے نے

ہر انکشاف آج ہے اسرار کی طرح
ہر مسئلے کو پڑھتے ہیں اخبار کی طرح

شاید اسی کا نام جمودِ حیات ہے
اہلِ ہنر کو فرصتِ کسبِ ہنر نہیں

یہیں کہیں پہ ملیں گے ہمارے نقشِ قدم
یہیں کہیں پہ ہمارا مکان تھا پہلے

عجیب دشمنِ ہوش و خرد نظارے تھے
جہاں میں ڈوب رہا تھا وہیں کنارے تھے

حسن ہو یا عشق دونوں کی سزا ہے دائمی
اک اسیرِ بندگی ہے اک اسیرِ ناز ہے

کون ملتا ہے کسی سے حسنِ سیرت دیکھ کر
لوگ ملتے ہیں یہاں اپنی ضرورت دیکھ کر

سراج مونگیری

نام سراج انور قلمی نام سراج مونگیری اور ولدیت عبدالمجید ہے۔ آپ کی پیدائش ماہِ رمضان کے مقدس مہینے کی بیس تاریخ ۱۹۲۶ء کو جلال آباد، ضلع مونگیر میں ہوئی۔ آپ نے شاعری کا آغاز ۱۹۵۵ سے کیا۔ ابتدائی دنوں سے ہی آپ کہنہ مشق شاعر حلیم ثمر آروی سے

استفادہ کررہے ہیں۔شروع میں غزلیں کہیں لیکن بعد میں مذہبی فکروذہن نے انھیں مذہبی شاعری خاص طور پر قصیدے کی طرف موڑ دیا۔سراجؔ صاحب کہنہ مشق شاعر ہیں اس لئے ان کے قصائداورغزلوں میں روایت کی ایک گرفت مضبوط رہی ہے۔کلام میں وسعتِ خیال، برجستگی، گہرا مشاہدہ اور کلاسیکی زبان کی تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ان کے طرزِ اظہار میں روایت کی پاسداری کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں جدید رنگ اور جدید لب ولہجہ بھی ملتا ہے۔ مضامین اور تخیل کے اعتبار سے اچھے قصیدہ نگاروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔آپ کے قصائد گرچہ رسمی اور روایتی انداز کے ہوتے ہیں لیکن کلام میں پختگی اور روانی ہوتی ہے۔

نمونۂ کلام :

ایک ایک کرکے ہوگئے گل فکر کے سارے چراغ ڈھونڈنے سے بھی اجالوں کے نہیں ملتے چراغ

حبیبِ داور فخر وہ آدم خلاصۂ شرح اسم اعظم اسی پہ ہے ختم سلسلہ تو تمام عرفان وآگہی کا

کہا خدا نے خوشی کی شب ہے حبیب میرا اداس کیوں ہے
نبیؐ یہ بولے ہے فکرِ امت تجھے خبر ہے بیاں سے پہلے
ہے میرا وعدہ بروزِ محشر نہ ہوگی رسوا تمھاری امت
کہ بخش دی میں نے تیری امت حبیب تیرے بیاں سے پہلے
ہے ذکر شہکار کبریا کا درود پڑھیے زباں سے پہلے
مگر خیالِ وضو بھی رکھئے سراجؔ فکر و بیاں سے پہلے
بلوا لے مدینے میں مولا کفار کے نرغے میں ہے سراجؔ
اب میری طبیعت اے آقا جینے سے بہت گھبرانے لگی
مدح خواں جب ہے رب کون ومکاں کس طرح ہو رقم مدح کی داستاں
جس سے تحریر ہو وصفِ شاہِ امم وہ قلم میں میرے روشنائی نہ تھی
سرورِ انبیاء تاجدارِ حرم حامی بے نوا نازشِ دو جہاں
جس سے شانِ رسالت کی تشریح ہو فکر کو میری حاصل رسائی نہ تھی

حور و ملائک میری خدمت میں تھے لگے
دیکھا ہے رات خواب کہ جنت میں گھر ملا
دینے میں دینے والے نے کوئی کمی نہ کی
دامن میں ہم سمو نہ سکے اس قدر ملا

جمال احمد محشر

مٹیا برج کی علمی، ادبی اور ثقافتی کینوس پر ایک روشن نام اسٹیج آرٹسٹ شکیل انصاری کا ہے جو جمال احمد محشر کے صاحب زادے ہیں۔ محشر صاحب کی پیدائش ۱۹۲۵ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ ڈاکٹر جمال احمد محشر کا شمار مٹیا برج کے چند برگزیدہ شخصیات میں ہوتا تھا جو بیک وقت سماجی خدمت گار، ڈاکٹر، شاعر، ادیب، معلم، صحافی اور ایک سلجھے ہوئے سیاست داں تھے۔ آپ کے ہم عصر شعراء میں سیّد علی ظفر شمیم، حلیم ثمر آروی، اختر ساز لکھنوی، محرم لکھنوی اور کیف الاثر شامل تھے۔ عرصہ دراز تک سیاسی پارٹی 'فارورڈ بلاک گارڈن ریچ یونٹ کے صدر رہے۔ ایک فرض شناس مدرس اور بیباک صحافی تھے۔ اپنی ادارت میں مٹیا برج سے ایک اخبار ''ہنگامہ'' جاری کیا تھا۔ کچھ دنوں تک غازی اصلاحی مرحوم کے ساتھ روزنامہ ''انگارہ'' کی مجلس ادارت کا شعبہ سنبھالا۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک ادبی تنظیم ''قصر الادب'' کے نام سے قائم کی تھی جسے ان کی صاحب زادے شکیل انصاری نے زندہ رکھتے ہوئے اس ادارے کی جانب سے کئی ادبی نشستوں کا اہتمام کیا۔ بعد از مرگ شکیل انصاری نے ڈاکٹر جمال احمد محشر فن اور شخصیت پر اہلِ قلم کے مقالات اور ان کی غزلوں کا انتخاب ''ڈاکٹر جمال احمد محشر۔ فن اور شخصیت'' کے نام سے شائع کیا۔ ڈاکٹر جمال احمد نے پُر وقار زندگی گزاری اور آخری دم تک اپنے خاندانی عزت و ناموس کو برقرار رکھتے ہوئے ۲۶ر جولائی ۲۰۰۰ء کو اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ ڈاکٹر جمال احمد محشر کی شاعری پر ممتاز و معروف شاعر حضرتِ قیصر شمیم نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے :

''ڈاکٹر جمال احمد محشر کے ذہن کو فطری مناسبت تھی۔ جو کچھ کہتے تھے سوچ سمجھ کر کلاسیکی رچاؤ کے ساتھ کہا کرتے تھے۔ روایات کا حسن ان کے سامنے رہا کرتا تھا اور وہ اس حسن سے کسب نور کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اشعار میں زبان کی سادگی، بیان کی صفائی اور جذبے کی سچائی پر خاص توجہ دیتے تھے۔''

نمونۂ کلام :

عالمِ ایجاد میں محشر ہیں ہم جدت پسند
کہنہ و فرسودہ اندازِ بیاں رکھتے نہیں

سیہ بختی کے عالم میں یہاں تک سجدہ ریزی کی
ہوا ہے سنگِ اسود تیرا سنگِ آستاں ہم سے

اناالحق کی صدا منصور گر پیدا نہیں کرتا
تو جاری کس طرح افسانۂ دار و رسن ہوتا

گر حیاتِ ابدی کی ہے تمنا تجھ کو
موت سے قبل سمجھ لے تجھے مرنا ہوگا

زمانہ سخت ہے محشر زمانے میں ہرگز
وفا کے موتیوں کا انتخاب مت کرنا

رنجِ فراق، خوفِ نکیرین، جائے تنگ
کنجِ لحد بھی سنتے ہیں دارالاماں نہیں

خوابِ غفلت سے زمانے کو جگادوں محشر
مری آواز اگر بانگِ درا ہو جائے

کہیں ہنستے ہنستے نہ آجائیں آنسو
مرے ضبط کا امتحاں ہو نہ جائے

جب اضطراب حد سے بڑھا مل گیا سکوں
جب مضطرب ہوا تو پریشاں نہیں رہا

حسرتِ دیدار کی دل میں لگا کر آگ وہ
دامنِ ایفائے وعدہ سے ہوا دیتے رہے

کیوں طالبِ اجل ہوا محشر شبِ فراق
بارِ غمِ حیات تو بارِ گراں نہیں

انجم باروی

نام سمیع احمد صدیقی ادبی نام انجم باروی۔ آپ کی پیدائش جنوری ۱۹۳۳ء کو ضلع بیگوسرائے کی ایک معزز شخصیت ماسٹر نصیر الدین صاحب کے گھر ہوئی۔ چند برسوں تک برن پور، آسنسول میں قیام کیا۔ اس کے بعد منیا برج چلے آئے۔ آپ نے اسی سرزمین پر ۱۹۵۰ء میں شاعری کا آغاز کیا۔ شروع میں کہنہ مشق استاد شاعر ڈاکٹر رضی ناطقی مرحوم سے

مشورہ سخن کیا۔ ان کے انتقال کے بعد کیف الاثر سے کلام پر اصلاح لینے لگے۔ آپ نے ہفتہ وار ''نئی روشنی'' میں فکاہیہ کالم ''کوچہ گرد'' لکھا کرتے تھے۔ طنز و مزاح سے بھی دلچسپی ہے۔ آپ حس مزاح بھی رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی دوستوں کے حلقے میں ادبی لطائف سنا کر محفل گلزار کر دیتے ہیں۔ آپ نے نہ صرف شاعر بلکہ نثر نگار کی حیثیت سے بھی پہچان بنائی ہے۔ آپ کے کلام میں مروج موضوعات کے ساتھ نئے موضوعات بھی ملتے ہیں۔ شاعری کا آہنگ بنیادی طور پر کلاسیکی ہے لیکن عصری تقاضوں کے تحت ان کی شاعری میں کہیں کہیں جدید رنگ بھی جھلکتا ہے۔ برسوں سے آپ کی نثری و شعری تخلیقات ملک کے معروف اخبار و جرائد میں شائع ہو رہی ہیں۔ آپ مٹیا برج کے کہنہ مشق اور معروف شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔

نمونۂ کلام :

نہ تھا وہم و گماں اس کا مجھے وہ بھول جائیں گے
معمہ بن کے آخر رہ گئی ہے زندگی میری

زباں سے کیا سناؤں حال اپنے دل کا میں تجھ کو
کہ شرحِ داستاں خود کر رہی ہے خامشی میری

خدا رکھے وہی اک رازداں ہے
زباں رکھتے ہوئے جو بے زباں ہے

وہی پا گئے منزلوں کے نشاں
جو گرتے رہے اور سنبھلتے رہے

دریا میں پھوٹ پھوٹ کے کہتا تھا ہر حباب
اک پل کی زندگی ہے کچھ اس کے سوا نہیں

اس دورِ ستم کا یہ کرشمہ ہے کہ انجم
قاتل کو لئے ہاتھ میں سر دیکھ رہا ہوں

موسم بہار کا ہو کہ دورِ خزاں رہے
مرضی ہے عندلیب کی چاہے جہاں رہے

زندگی مہرہ ہے اک شطرنج کا
موت کیا ہے زندگی کی مات ہے

فراوانی ہے ہر سو دیکھئے اب خونِ انساں کی
بنا آدم کا دشمن آج خود آدم جہاں میں ہوں

بجھنے کو آرزو کا ہر اک دیپ بجھ گیا
امید کا دیا ہے جو اب تک بجھا نہیں

جذبؔ آنولوی

نام کلام احمد شمسی، قلمی نام جذبؔ آنولوی ابن صمصام احمد کی پیدائش ۱۹۳۹ء کو آنولہ

ضلع بریلی، یوپی میں ہوئی۔ شاعری کا آغاز ۱۹۵۵ء میں ہوا۔ ابتدائی دنوں میں آپ نے ممتاز شاعر سیّد حرمت الاکرام سے استفادہ کیا۔ اب فارغ الاصلاح ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر متعدد بار کلام پیش کر چکے ہیں۔ بیرونِ بنگال کے آل انڈیا مشاعروں میں مدعو کئے جاتے ہیں۔ حافظہ قوی، زبان پر گرفت ہے۔ قدیم و جدید لہجہ اور خوبصورت آواز نے آپ کو ادبی دنیا میں شہرت و مقبولیت بخشی ہے۔ آپ فکر، اسلوب اور رنگ و آہنگ کے اعتبار سے روایتی شاعر ہیں لیکن زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور نئے تقاضوں کے ساتھ ان کی فکر میں تبدیلی آتی گئی اور رفتہ رفتہ خود کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جس کے سبب ان کے کلام میں انسانی کرب اور معاشرتی مسائل کا اظہار ملتا ہے۔ جذبؔ آنولوی کی طرزِ نگارش بلاشبہ قاری کو متوجہ کرتی ہے۔ نمونتاً چند اشعار ملاحظہ فرمائیں جو ان کے دلی جذبات و احساسات کے ترجمان ہیں :

نمونۂ کلام :

خیالِ یار میں گم ہوں نہ چھیڑیئے مجھ کو
کبھی کبھی تو غزل کا مزاج بنتا ہے

آجاؤ اپنے شانوں پہ زلفیں بکھیر کے
شامِ غزل منائے زمانہ گذر گیا

جب بھوک غریبوں کی بازار میں چلائی
شیشے کے مکانوں سے ہنسنے کی صدا آئی

پھر اس کے کئی بچے فاقے سے بلک اٹھے
پھر جاکے کوئی بیوہ عزت کو لٹا آئی

جو طوفانوں سے ٹکراتا رہے گا
خراجِ زندگی پاتا رہے گا

شبِ تاریک کی آنکھوں سے اشکِ خوں ٹپکتے ہیں
فلک پر تب کہیں یہ چاند اور تارے چمکتے ہیں

زندگی کیا ہے یہ احساس اندھیرے میں ہوا
ہوش آیا نہ اجالوں میں بسر ہونے تک

ادب اور زندگی دونوں میں کچھ ایسا تعلق ہے
جدا جیسے کبھی ساحل سے دریا ہو نہیں سکتا

کوئی مذاق نہیں جذبؔ شعر کہہ دینا
جگر کا خون بہایا ہے شاعری کے لئے

قد اپنا کسی قد سے بڑھا بھی نہیں سکتا
کس کس سے بڑا ہوں یہ بتا بھی نہیں سکتا

راقم لکھنوی

نام مجید الحسن اور قلمی نام راقم لکھنوی ہے۔ محمد عابد صاحب کے اس لائق و فائق فرزند کی ولادت نومبر ۱۹۳۱ء کو کانپور یو. پی. میں ہوئی۔ ۱۹۶۱ء میں علی گڑھ سے ادیب کامل کا امتحان پاس کیا۔ حصولِ علم کے ذوق و ذاتی کوششوں اور عمیق مطالعہ سے اردو، ہندی، فارسی، عربی اور انگریزی زبان سیکھی۔ آپ بہت سی ادبی، سماجی، مذہبی اور سیاسی تنظیموں سے منسلک رہے مثلاً ترقی پسند رائٹرز، حلقۂ ادب، شیعہ فیڈریشن، شیعہ کانفرنس اور انقلابی سوشلسٹ پارٹی وغیرہ۔ لیکن آپ کی خاص پہچان ایک صحافی اور نثر نگار کی حیثیت سے قائم ہوئی۔ سیاسی اور دیگر موضوعات پر آپ کے مضامین مقامی و بیرونی اخبارات میں برابر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ پندرہ روزہ ''آبزرور'' دہلی میں چیف ایڈیٹر، ہفتہ وار ''ہوڑہ ٹائمز'' میں نائب مدیر اور روزنامہ ''اخبارِ مشرق'' میں سب ایڈیٹر رہے۔ روزنامہ ''عکاس'' اور ''آزاد ہند'' میں مسلسل لکھتے رہے۔ آزاد ہند کے مشہور کالم ''نمک دان'' میں برسوں اپنے قلم کا جوہر دکھایا۔ طنزیہ اور سنجیدہ مضامین دہلی کے اخبارات میں شائع ہوئے۔ آپ نے نثر کے علاوہ غزل، نظم، سانیٹ، سلام، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، رباعی، قطعہ اور طنزیہ نظمیں بھی لکھیں۔ آپ کے مضامین ہوں یا شاعری سبھوں میں خوبصورت زبان کا ذائقہ ملتا ہے بالخصوص مذہبی شاعری میں لکھنوی زبان کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ بحیثیت انسان آپ شریف النفس، خوش طبع، کم سخن، با اخلاق اور تنہائی پسند ہیں۔ یہی اسباب ہیں کہ آپ کو مٹیا برج کی ادبی محفلوں اور سماجی جلسوں میں بہت کم دیکھا جاتا ہے۔ آپ اپنے کلام میں سماج کے مسائل کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ یوں کہتے ہیں :

نمونۂ کلام :

ہم تو ساحل سے چلے پیاس کا تحفہ لے کر — اب زمانہ ہمیں ڈھونڈا کرے دریا لے کر

ستم ظریف ہے جب التفات کرتا ہے — وہ مجھ سے میرے ہی لہجہ میں بات کرتا ہے

دور تک اپنے ہی نقشِ کفِ پا آئے نظر — جب زمانے کی طرف گھوم کے دیکھا میں نے

مرغوب عالم مرغوبؔ 138
سبحان فرازؔ 139
شاداب حسین شاداب 140
معین الدین محور 141
غلام ربانی نازاں/سیّد انجم رومان 142
مبارک سلیم 143
شیراز حسین شیراز 144
ڈاکٹر ایس۔جی۔آئی جیدر 145
شکیل انصاری 146
ڈاکٹر محمد زاہد 147
ڈاکٹر فرزانہ/شمس الدین شمسؔ 148
عیسیٰ رشک 149
سکندر علی منیر 150
غلام نبی ایڈوکیٹ/قمر عظیم آبادی 151
جمال کاشف 152
اشفاق حسین اشفاقؔ 153
عباس ندیری/محمد اقبال 154
عالم گیر عالمؔ/جاوید اخترؔ 155
محمد صابر علی دریا آبادی/احمد حسین احمدؔ 156
تنویر احمد تنویرؔ/بدرالدین مہرؔ 157
اشتیاق عالم رہبرؔ 158
حسنؔ اورنگ آبادی 159
زین العابدین راشد/شاہد اقبال 160
ڈاکٹر الف انصاری 161
مٹیا برج کے شعراء جن کے صرف ایک یا دو ہی اشعار دستیاب ہو سکے۔ 162
مٹیا برج کے شعراء جن کا کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔ 166
مٹیا برج کی مشہور شخصیات 168
مٹیا برج کے سماجی و تعلیمی ادارے 173
کتابیات ..... 174 مصنف کا کوائف نامہ 175

غیروں کا ذکر کیا کہ تری برہمی کے بعد — حد ہے کہ گر گئے ہیں خود اپنی نظر سے ہم

کوئی سسکی ہے نہ آوازہ ہے — میں ہوں ' تنہائی ہے ' سناٹا ہے

وہ جو فٹ پاتھ پہ آسودہ ہیں — ان کے ذہنوں میں بھی گھر ہوتے ہیں

وہ دور پر جو گردزدہ روشنی سی ہے — منزل ہے یا فریب نظر ہے مسافرو!

جب کبھی دوسروں کا گلہ کیجئے — سامنے آئینہ رکھ لیا کیجئے

وہ شخص آج مانگ رہا تھا دوئی کی بھیک — جو شخص اپنے آپ میں ایک انجمن لگے

ہر مسافر کا نہیں دیتے ساتھ — راستے تنگ نظر ہوتے ہیں

بقانظامی

حضرت سیّد شاہ محمد حسین رضوی صاحب کے صاحب زادے بقانظامی کا اصل نام برہان الدین ہے۔ آپ کی ولادت یکم جنوری ۱۹۲۵ء کو عظیم آباد میں ہوئی۔ برسوں مٹیا برج میں قیام رہا۔ شوقِ شاعری نے علامہ ابوالبیان مائل لکھنوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے پر مجبور کیا۔ صوفیانہ شاعری میں آپ کا خاص مقام ہے۔ اس لئے آپ کا شمار بھی صوفی شاعر کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ گرچہ آپ نے غزلیں بھی کہیں لیکن حمد' نعت' منقبت' نظمیں' قطعات اور رباعیات کہنے میں آپ کو مہارت حاصل ہے۔ آپ کا پہلا شعری مجموعہ ''نقشِ بقا'' کے نام سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد ''صہبائے بقا''، ''گلہائے بقا'' اور نعتیہ شاعری کا ایک مجموعہ ''شہپر جبرئیل'' ۱۹۹۲ء میں کراچی سے منظرِ عام پر آیا جس میں جوشؔ ملیح آبادی اور علامہ جمیل مظہری جیسے قد آور قلمکاروں نے بقا صاحب کی شاعری پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے اور ایک کتاب ''مطلوب القلوب'' کے نام سے شائع ہوئی۔ ان میں چار کتابیں کراچی میں شائع ہوئیں۔ بقا صاحب کا مستقل قیام چالیس برسوں سے کراچی میں ہے۔ بقا صاحب نے اپنی شاعری کو مذہب کی اشاعت اور ملت و سماج کی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ آپ نے سطحی عشقیہ شاعری سے گریز کیا۔ انھوں نے اپنی شاعری میں

مذہبی خیالات کی ترجمانی کی ہے جس میں تغزل کی رنگینی کے ساتھ تصوف کی آب و تاب بھی نظر آتی ہے۔ ان کی صوفیانہ شاعری میں تصوف کا رنگ نمایاں ہے۔ اس لئے اس موضوع پر قلم اٹھاتے وقت زبان و بیان کی پاکیزگی اور شائستگی کا خیال رکھتے ہیں۔ پروفیسر عبدالستار شاہدی بقاؔ صاحب کی شاعری پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''مذہبی وملّی اور اخلاقی خدمات کے جذبات نے ان کی شاعری پر غلبہ حاصل کرلیا ہے۔ اس طرح ان کی شاعری مخصوص طرز کی شاعری ہوگئی ہے۔ ان کے کلام میں دردؔ کا تصوف، غالبؔ کا انداز، حالیؔ کی اصلاحی نظموں کی جھلک، اقبالؔ کی فکر اور شادؔ کی سادگی کہیں کہیں جلوہ ریز نظر آتی ہے۔''

نمونۂ کلام :

قدم قدم پہ ملیں گے کانٹیں حسین بننا پڑے گا تم کو
یہ عشق والوں کا راستہ ہے قلندری کو نہ کھیل سمجھو

اشعار میں بقاؔ کی پیغامِ زندگی ہے
سمجھو نہ صرف اس کو گفتارِ شاعرانہ

خدا کا عرش بھی سنتے ہیں کانپ اٹھتا ہے
کسی کا شیشۂ دل جب کہ چور ہوتا ہے

بجھ جائے گی یہ آگ مگر اشک سے نہیں
خونِ جگر سے آتشِ دل کو بجھا کے دیکھ

انمول گوہروں کی ہے تجھ کو اگر تلاش
دریائے بے کنار میں غوطہ لگا کے دیکھ

مچی ہے لوٹ زمانے میں جنسِ ایماں کی
جہانِ مذہب و ملت کے پاسباں ہم ہیں

کہتے تو ہیں جہاں میں اناالحق سبھی بقاؔ
دار و رسن کا شوق بھی لیکن کسی میں ہے

ہر اک کو تمنا ہو دار و رسن کی
انا الحق کا گر راز افشاں کریں ہم

نہ پوچھو شان و عظمت عشق والوں کی خرد والو
فرشتے ان کی خاکِ پا کو آنکھوں سے لگاتے ہیں

شمسؔ مٹیا برجی

نام کاظم حسین تخلص شمسؔ ہے۔ سجاد حسین کے گھر ۱۹۳۷ء کو مٹیا برج میں پیدا ہوئے۔ بنیادی طور پر آپ قصیدہ کے شاعر ہیں لیکن نعت، منقبت، سلام اور غزلوں پر طبع آزمائی کی اور

بے حد کامیاب رہے۔ شکیلؔ مٹیا برجی، سیّد علی ظفر شمیمؔ، اختر سازؔ لکھنوی اور خمارؔ دیوبندی کے بعد کی نسل میں شمسؔ مٹیا برجی قصیدہ گو شعراء میں ایک معتبر نام ہے۔ آپ سیّد علی ظفر شمیم صاحب سے مشورۂ سخن کرتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد کسی اور سے رجوع نہیں ہوئے۔ آپ قدیم رنگِ سخن کے علمبرداروں میں ہیں۔ آپ کے اشعار میں دبستانِ لکھنؤ کی کلاسیکی خصوصیات جلوہ گر ہیں لیکن کبھی کبھی ان کی غزلوں میں نیا لب ولہجہ بھی فن کارانہ انداز میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ ایک عرصہ تک ملک کے معروف گلوکاروں کے لئے نظمیں، غزلیں اور گیت لکھتے رہے لیکن ان میں زبان وادب کو ملحوظ رکھا۔ علالت کے سبب ادبی رفتار سست پڑ گئی ہے لیکن اندر کا حساس فن کار زندہ ہے اس لئے ہر سال ربیع الاول کے موقر پر دو تین نعتیہ قصائد کہہ لیتے ہیں۔

نمونۂ کلام :

بزمِ دنیا سے اٹھنا پڑا جب موت کی انجمن نے پکارا
چھن گیا پیرہن زندگی کا جب کسی کو کفن نے پکارا
شمسؔ ہم نے تو جب بھی صدا دی مڑ کے دیکھا نہ اہلِ وطن نے
سر ہتھیلی پہ ہم لے کے نکلے جب بھی ہم کو وطن نے پکارا
عزت، دولت، شہرت، طاقت ہم کو تو کچھ بھی نہ ملا
آپس ہی میں بانٹ کے رکھ لی ساری خدائی لوگوں نے

لاشوں کے انبار پہ بھی ہم چڑھ کر پار نہ ہو پائے — اتنی اونچی مذہب کی دیوار اٹھائی لوگوں نے
بوجھ اولادوں پہ بننے سے بچالینا مجھے — اے مرے معبود دنیا سے اٹھا لینا مجھے
تپ کے نکلا ہوں غم و آلام کی بھٹی سے میں — اے زمانے غیر ممکن ہے جھکا لینا مجھے
حق پہ کچھ اس طرح باطل کا ہوا ہے غلبہ — سامری سحر سے موسیٰ کی عصا زخمی ہے
غیرتیں ہوگئیں ناموس کے رکھوالوں کی — پیرہن بہنوں کا، ماؤں کی ردا زخمی ہے
شمسؔ مغرور بنا دے گی مجھے دادِ سخن — آپ تنقید ہی کچھ بڑا احساں ہوگا

تسکین انصاری

نام ولی محمد اور قلمی نام تسکین انصاری تھا۔ آپ کی ولادت ۱۹۳۳ء کو ضلع گیا، بہار میں ہوئی۔ تعلیم بی۔ اے۔ تک تھی۔ بنگال ناگپور ریلوے آفس میں آپ سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز تھے۔ آپ کی پہچان بنگال کے ادبی حلقوں میں ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے تھی۔ حالاں کہ آپ نے مغربی بنگال کے کئی مشاہیرِ ادب کے فن اور شخصیت پر مضامین بھی قلم بند کئے جو مقامی اخبارات اور رسائل میں شائع ہوئے۔ دو مذہبی کتابچے ''یوم النشور'' ضخامت ۸۰ر صفحات اور ''معیارِ حسن'' ضخامت ۱۰۴ر صفحات منظرِ عام پر آئے۔ تسکین انصاری کے کئی افسانے مشاہیر ادبی رسائل ''شب خوں'' اور ''کتاب'' لکھنؤ میں شائع ہوئے۔ ان کے نمائندہ افسانوں میں ''سرد رات''، ''روشن آنکھیں''، ''بھیگے لمحے''، ''دستک'' اور ''انجان بوا'' قابلِ ذکر ہیں۔ ادب اور مذہبی موضوعات پر مطالعہ کافی وسیع تھا۔ کسی موضوع پر آپ مدلل بحث کرتے اور مخاطب کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے۔ جس دور میں ان کا قلم رواں دواں تھا، اسی دور میں انھوں نے ادبی دنیا سے علیحدگی اختیار کر لی اور پوری طرح مذہب کی طرف رجوع ہو گئے اور پھر اس جانب مڑ کر نہیں دیکھا۔ اگر افسانہ نویسی کا سلسلہ جاری رہتا تو یقیناً مغربی بنگال کے چند نمائندہ افسانہ نگاروں میں آپ کا بھی شمار ہوتا۔ اس فنکار کی موت ۲۰۰۲ء میں مٹیا برج میں ہوئی۔

فاروق شفق

جدید لب ولہجہ کے شاعر فاروق شفق کی پیدائش علم وادب کی سرزمین جون پور میں ۱۴ر جنوری ۱۹۴۵ء کو ہوئی۔ بحیثیت معلم اپنے فرائض زندگی کے آخری ایام تک خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ ۱۹۶۰ء کے بعد مغربی بنگال کے ادبی منظر نامے پر جدید شعراء کی جو نسل ابھری اس میں ایک معتبر اور نمایاں نام فاروق شفق کا ہے۔ فاروق شفق کی شاعری نے ناقدین اور قارئین کو اپنی طرف خاص طور سے متوجہ کیا۔ آپ ایک خوش فکر شاعر اور اچھے نثر

نگار بھی تھے اور ناقدانہ بصیرت رکھتے تھے۔ آپ کی تخلیقات ہندو پاک کے معتبر جرائد میں شائع ہوتی رہیں۔ ایک شعری مجموعہ ''شہر آئندہ'' کے نام سے شائع ہوا جو اہلِ نظر اور اہلِ قلم کی نگاہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ غزلوں میں جدید اسلوب اور نئے افکار و خیالات کو جگہ دی اور انتشاری کیفیات، گھٹن، محرومی اور عصری مسائل کو خوبصورت انداز میں پیش کیا۔ اردو ادب کے ممتاز ناقد شمس الرحمٰن فاروقی فاروق شفق کے کلام پر اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

''فاروق شفق کی غزل کا سب سے توجہ انگیز پہلو ایک خفیف اور لطیف سا طنز اور ایک ہلکا سا بانکپن ہے لیکن طنز اور بانکپن کسی ناتجربہ کار نوجوان کا نہیں بلکہ ایک ایسے شخص کا ہے جو سرد و گرم اور نشیب و فراز سب کچھ جھیل چکا ہے اور ظاہر و باطن کے تمام مناظر کو اپنے تجربات کی روشنی میں دیکھتا ہے۔ شفق کے طور طریقے کی پختگی کا نشاندہی کرتی ہے۔ وہ غزل کے ان شعرا میں نہیں جو موسم کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔ ان کی غزل میانہ روی میں اپنی مثال آپ پیدا کرنے کی اعلیٰ مثال ہے۔''

نمونۂ کلام :

پاگل سمجھ کے پتھر اسے مارتے تھے سب
وہ سب کے درمیان کھڑا اک سوال تھا

مسئلوں کی تیز آندھی اور اک سوکھا شجر
خود کو گویا ڈھانپتے ہیں اک پھٹی چادر سے ہم

لباس چہرہ بدن گھر سبھی ہیں شیشے کے
کہاں چھپوں کہ کسی کو نظر نہ آؤں میں

گھنے جنگل میں کوئی رات گذارے جیسے
گھر کے لوگوں میں ہم اس طرح بسر کرتے ہیں

نہ دیکھو شہر کا منظر کھلے دریچے سے
انھیں دریچوں سے بیماریاں بھی آئیں گی

یہ دنیا اپنے ڈھب کی تھی نہ دنیا والے اچھے تھے
مگر کیا کیجئے پھر بھی گزارا کرلیا میں نے

صنعتی ترقی کا حال یہ ہے شہروں میں
ہونٹوں کا تبسم بھی ڈھل گیا مشینوں میں

اچھا سا سوٹ جسم پہ اپنے سجا کے وہ
خوش ہے کہ جیسے گھر کی بھی حالت بدل گئی

جھانک کے دیکھا ہے انکے بھی گھروں میں ہم نے
دوستوں میں جو شفق ہنستے ہنساتے ہیں بہت

بہت دھوکہ دیا خود کو مگر کیا کرلیا میں نے
تماشہ مجھ کو کرنا تھا تماشہ کر لیا میں نے

غزل کی سلطنت آج تک سورج نہیں ڈوبا
شفق آساں نہیں ہے آپ یوں مشہور ہو جائیں

ڈاکٹر شمیم انور

مٹیا برج کی مشہور شخصیت ڈاکٹر ایم. اے. شکور کے صاحب زادے ڈاکٹر شمیم انور کی پیدائش ۱۹۴۷ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ شاعری کا آغاز ۱۹۶۴ء سے کیا۔ بیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں مغربی بنگال میں نئی نسل کے جو شعراء منظرِ عام پر آئے ان میں باغیانہ لب ولہجہ لے کر ایک نوجوان شاعر نمودار ہوا جس کا نام شمیم انور ہے۔ غزل گوئی سے میدانِ ادب میں داخل ہونے کے باوجود اپنے جذبات واحساسات کے اظہار کے لئے نظم کو وسیلہ بنایا اور نظم ہی ان کی شناخت کا ذریعہ بنی۔ آپ نے نعتیہ قصائد بھی لکھے۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ شمیم انور کی نظمیں ہوں غزلیں یا قصائد، ان میں فکر کی گہرائیاں پائی جاتی ہیں۔ ان کے کلام میں حالاتِ حاضرہ کی بھرپور ترجمانی ملتی ہے۔ نظموں کا مجموعہ ''اجنبی خدا'' اور ایک نثری کتاب ''جدید شاعری کا پس منظر'' شائع ہوئیں۔ نظموں کی طرح غزلوں میں بھی تلخی، طیش، استحصال، جھنجھلاہٹ اور غم وغصہ کا اظہار پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر شمیم انور کی نظمیں اپنے دامن میں ایک انوکھی کشش رکھتی ہیں۔ ان کی نظموں کا لب ولہجہ اور ولولہ انگیز طرزِ اظہار عوام وخواص کے دلوں میں خودسری کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ ''اجنبی خدا'' کی نظموں میں شاعر کے ضمیر کی آواز صاف سنائی دیتی ہے۔ برہمی اور انتشاری کیفیت جو نوجوانوں پر غالب رہی ہے اس کے اظہار میں شاعر کا مخصوص تیور نمایاں ہے۔ شمیم انور ذہنی طور پر سیاسی اور انقلابی شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں باطل کے خلاف جہاں سرکشی اور احتجاج کی بازگشت سنائی دیتی ہے وہیں سماج کے افراد پر طنز کے تیر ونشتر کے نقوش بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر شمیم انور کلکتہ یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر ہیں۔ ان کی نثری وشعری تخلیقات ملک کے

موقر اخبارات و جرائد میں چھپتی رہی ہیں۔ آپ بہت ساری ادبی، علمی اور سماجی تنظیموں سے جڑے ہوئے ہیں جن کا اظہار یہاں ممکن نہیں۔ ڈاکٹر شمیم انور کی کتاب ''اجنبی خدا'' پر خواجہ احمد عباس اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

''میں ''اجنبی خدا'' کو نئی نسل کے شاعروں کی ایک آواز سمجھتا ہوں۔ وہ نسل جو سماج کی اور سیاست کی ریاکاریوں، مظالم اور بے انصافیوں کے خلاف نکسلی بغاوت پر آمادہ ہے۔ میں ''اجنبی خدا'' کی نظموں کو ترقی پسند جدید ادب کی ایک معنی خیز آواز سمجھتا ہوں جو اپنے مواد کے اعتبار سے باغیانہ ہے انقلابی ہے۔

نمونۂ کلام :

کرفیو پیچھے پیچھے ہے سناٹے کی سرکار لئے
آگے سڑکیں بھاگ رہی ہیں جسموں کا انبار لئے

ہار نہ کہنا یہ بھی ضدی شاخوں کی اک جیت ہوئی
تیز ہوا اب کے نکلی ہے ہاتھوں میں تلوار لئے

خود جن کی ہتھیلی میں ہوں سوراخ ہزاروں
وہ دینا بھی چاہیں گے تو کیا دیں گے کسی کو

موسیٰ کی طرح ہم بھی بہا دیں گے کسی کو
فرعون کے محلوں میں پلا دیں گے کسی کو

انھیں خبر بھی نہیں بھوک کیسی ہوتی ہے
اگا رہے ہیں جو کھیتوں میں دھان شیشے کا

ہمارے خون کی بو دستِ قاتل میں کہاں ہوگی
وہ بعد از قتل اپنے ہاتھوں میں مہندی رچالیں گے

خوئے تمیز اگر تھوڑی سی ڈال لی ہوتی
آج سونے کی مرے ہاتھ میں تھالی ہوتی

جھک کے ملنا میری فطرت میں نہیں ہے شامل
تیرا دروازہ ہے نیچا' مرا سر لگتا ہے

لذتِ درد سمندر سے نہیں سیپ سے پوچھ
جن کی آغوش میں قطرے سے گہر جاگے ہے

اس سے ملتی ہے بہت میری انا کو تسکین
سر کو کچھ دیر مرے در پہ جھکا رہنے دو

کہا جاتا ہے برسوں پہلے ڈوبی تھی جہاں کشتی
وہاں مہدی لگے دو ہاتھ رہ رہ کے ابھرتے ہیں

سنگ ریزوں کی طرف ہاتھ بڑھانا میرا
کتنے شیشوں کے مکانوں کا ہے ویراں ہونا

مشتاق جاوید

نام مشتاق احمد تخلص جاوید ولدیت محمد سعید آرٹسٹ مرحوم ہے۔ آپ کی ولادت ۱۰/اگست ۱۹۴۵ء کو ناتھ نگر، بھاگلپور، بہار میں ہوئی۔ ٹی۔ این۔ بی۔ کالج بھاگلپور میں بی۔ اے۔ تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۳ء سے مستقل قیام مٹیا برج میں ہے۔ پیشہ درس و تدریس ہے۔ آپ ۱۹۶۰ء سے گیسوئے اردو کو سنوارنے میں مصروف ہیں۔ آپ کا شمار آج کے چند نامور اور معتبر شعراء میں ہوتا ہے۔ ۱۹۶۰ء سے ہندو پاک کے موقر ہندی اور اردو اخبارات و جرائد میں ان کی نثری و شعری تخلیقات چھپتی رہی ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی کلام پیش کرتے ہیں۔ ابتدائی دور میں حافظ نواب الدین خیر بھاگلپوری اور سیّد علی ظفر شمیم سے اصلاح لی۔ ۱۹۷۲ء سے پروفیسر قیصر شمیم صاحب کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ ادارہ قلم کار کے بانی و سابق سکریٹری، ادبی سنگم اور اردو پروگریسو سوسائٹی کے چیئرمین اور مغربی بنگال اردو اکیڈمی کے رکن ہیں۔ آپ کو صحافت سے بھی دلچسپی رہی ہے۔ ماضی میں ڈاکٹر الف۔ انصاری کے ساتھ جوائنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے ماہنامہ ''محفل''، پندرہ روزہ ''نقشِ حیات'' اور ''ادب اور اسپورٹس'' میں خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ معروف گلوکار چھوٹے بابو، ایم۔ خان اور آفرین کے کیسٹ میں ان کے سلام اور منقبت شامل ہیں۔ جاوید نہ صرف ایک شاعر اور نثر نگار ہیں بلکہ زبان کی ترقی کے لئے جدوجہد کرنے کے ساتھ نئی نسل کی سرپرستی اور ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتے رہے ہیں۔ تقریباً ۴۰/برسوں سے زبان و ادب کی ہر تحریک میں پیش پیش رہے ہیں۔ اردو کی ترویج و ترقی اور شعر و ادب کے حوالے سے ان کی کاوشیں فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ اگر ہم انھیں اردو کا بے لوث خادم کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ جاوید کی زبان آسان، دلکش اور اسلوب منفرد ہے۔ ان کے کلام میں عصر نو کے داخلی و خارجی احساسات، جذبات اور فکر کی گہرائیاں ملتی ہیں۔ وہ سماجی برائیوں، اخلاقی بے راہ روی اور انسانی بے بسی کو دیکھ کر اندر ہی اندر گھٹن محسوس کرتے ہیں کیوں کہ وہ ایک حساس شاعر ہیں۔ جو کچھ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں، انھیں شعر کے پیکر میں ڈھال دیتے ہیں۔ شروع میں ان

کی شاعری پر رومانیت غالب تھی۔لیکن آج ترقی پسندی اور جدیدیت سے ہم آہنگ ہے۔ جاوؔید کی محبوب صنفِ سخن غزل ہے۔لیکن حمد، نظم، گیت، سہرا، رباعی، قطعات، منقبت اور سلام کے ساتھ نعتیہ قصائد بھی کہتے ہیں۔ جاوؔید قصائد کی تشبیب اور تمہید میں جبر وظلم اور انسانی شکست وریخت کے مضامین کو انتہائی اچھوتے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ان کی شاعری پر کئی نامور اور اہلِ قلم مضامین اور مقالات لکھ چکے ہیں جن میں ملک کے ممتاز شاعر، ادیب، نقاد ڈاکٹر لطف الرحمٰن اور شانتی رنجن بھٹا چاریہ کے علاوہ ایم. کے. اثؔر، اسجد ناظری نظؔر، اصغؔر رضوی اور راقم الحروف کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ڈاکٹر لطف الرحمٰن اپنے مضمون ''مشتاق جاوید ہم عصروں میں قابلِ ذکر شاعر'' میں رقم طراز ہیں :

''مغربی بنگال کی نئی نسل کے شعراء میں مشتاق جاوید کا اہم مقام ہے۔ان کی شاعری میں ابہام، فلسفہ اور منطق نہیں ہے اور نہ ہی نعرہ بازی ہے۔ عام فہم اور آسان زبان میں کسی بھی موضوع کو خوبصورتی کے ساتھ پیش کرنے کا سلیقہ جانتے ہیں۔ان کے شعری مزاج کا مرکز اضطرابی کیفیت اور جذبات واحساسات کا اظہار ہے۔ بہر کیف جاوؔید اپنی تخلیقات میں عصری مسائل اور داخلی و خارجی آگہی اور وجدان کے سبب اپنے ہم عصروں میں قابلِ ذکر شاعر ہیں۔''

نمونۂ کلام :

ہزار زخم تبسم میں ہے چھپائے ہوئے
یہ آدمی تو مسیحا دکھائی دیتا ہے

اپنی ہاتھوں کے ڈر سے چپ رہے گی ہر زباں
بند کمرے میں وہ لڑکی چیختی رہ جائے گی

اسی لیے تو رہے ہم حقیر دنیا میں
کہ سب سے ٹوٹ کر ملنا ہماری عادت تھی

بہت پژمردہ ہو جاتے ہیں مرے پھول سے بچے
کسی کے ہاتھ میں جس دم کھلونا دیکھ لیتے ہیں

بچے بچے کو پیاسا رکھ دیتا ہے
قطروں پر بھی وہ پہرہ رکھ دیتا ہے

کابل ہو کربلا ہو کہ گجرات کی زمیں
ہر سو مرے لہو کا ہی دریا دکھائی دے

ابھی سے کس لئے جاوید ہے تو ہے مضمحل اتنا
جنوں والے تو جنگل میں بھی رستہ دیکھ لیتے ہیں

ٹوٹا ہوا مکاں ہوں مگر خوش نما ہوں میں
خستہ روایتوں کا عجب سانحہ ہوں میں

جس سے ہو توہین مری وہ نام نہ دے
پاکستانی ہونے کا الزام نہ دے

میں ٹوٹ کر بھی ہر عکس کو سنبھالوں گا
چلاؤ شوق سے پتھر کہ آئینہ ہوں میں

بس ایک پل میں سبھی خواب چور چور ہوئے
تمھارے شہر میں شیشوں کی کیا حقیقت تھی

میں ایک پھول کی صورت ہوں سدا مہکوں گا
لاکھ خوشبو مری پتھر میں دبادی جائے

حق نوائی کا دعویٰ ہے سب کو مگر
نوکِ نیزہ پہ پھر کوئی سر تو ملے

کمتر عظیم آبادی

نام غلام رسول اور ولدیت مہر علی مرحوم ہے۔ آپ کے والد کا شمار علاقہ کے معزز صوفیوں میں ہوتا تھا۔ آبائی وطن عظیم آباد (پٹنہ) ہے۔ کمتر کی پیدائش ۱۹۳۵ء کو برجونالہ مٹیا برج (کلکتہ) میں ہوئی۔ ۱۹۵۲ء میں آپ نے ممتاز شاعر حضرت حامی گورکھپوری مرحوم کے مشورہ پر شاعری کی دنیا میں قدم رکھا۔ کمتر نے نظم، غزل، مثلث، مسدس، نعت، منقبت، قصیدہ، سلام، مناجات، سہرا، رخصتی، سال گرہ، رباعی اور قطعہ جیسی اصنافِ سخن پر قلم اٹھایا ہے۔ آپ کو رسالہ ''عبرت'' (ہوڑہ) کے مطالعہ سے نثر لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس لئے ابتدائی دنوں میں افسانوں پر طبع آزمائی کی جن میں ان کے کئی افسانہ شائع ہوئے جیسے ''انسانیت کی موت، انسانیت، دیرینہ دشمن اور انسانیت کی لاش'' وغیرہ۔ اپنے مخصوص لب ولہجہ کا البیلا شاعر سبھوں کا محبوبِ نظر ہے۔ صرف شاعری کے توسط سے ہی نہیں بلکہ اپنی باغ و بہار شخصیت، خلوص اور حسنِ اخلاق کے سبب بھی۔ اپنی شاعری میں کسی بھی مضمون کو برتنے کا اچھا ہنر رکھتے ہیں۔ کمتر نے کسی استاد سے کسبِ فن نہیں کیا بلکہ اپنی محنت، ریاضت اور عزم کے سہارے اپنی علمی و ادبی معلومات اور صلاحیت میں اضافہ کرتے رہے۔ وہ ایک ایسے شاعر ہیں جو فہم و ادراک اور کاوشوں کے سبب شعری میدان میں آگے بڑھ رہے ہیں اور تقریباً پچاس برسوں سے ادب کی آبیاری کر رہے ہیں۔ نئی نسل کے کئی شعراء نے آپ کے آگے

جُنبشِ لَب

گہوارۂ علم و ادب مٹیا برج، تاجدارِ اودھ واجد علی شاہ اختؔر کا آباد کیا ہوا ایک چھوٹا سا شہر ہے جہاں دنیائے اردو کے عظیم، قادر الکلام، باکمال اور ممتاز شعراء و ادباء کے علاوہ مختلف شعبۂ حیات میں ایسی شخصیتوں نے جنم لیا جنھوں نے اپنی صلاحیتوں اور خوبیوں کے سبب ملکی و بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''دبستانِ مٹیا برج کی ادبی خدمات'' یہاں کے اردو ادب کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں مٹیا برج کی مختصر تاریخ اور واجد علی شاہ اختؔر سے لے کر عصر حاضر تک کے ادباء و شعراء کے فن اور شخصیت کا اجمالی جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مغربی بنگال میں مرشد آباد، ٹالی گنج اور مٹیا برج اردو ادب کے تین اہم مراکز ہیں۔ اول الذکر دو مراکز کے ادیب و شاعر کی خدمات پر کتابیں شائع ہو چکی ہیں جب کہ اردو زبان و ادب کے ایک بڑے مرکز مٹیا برج کے ادباء و شعراء کی خدمات کا اعتراف یا انھیں روشناس کرانے کا فریضہ اب تک انجام نہیں دیا گیا۔ یہ خیال آتے ہی مجھے تحریک ملی اور میں نے مٹیا برج کے ادب پر کام کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ گرچہ یہ کام جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا پھر بھی سپر نہیں ڈالی۔ ''آبیل مجھے مار'' کے مصداق انجام وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

کتاب کی تیاری کے لئے سب سے پہلے مٹیا برج کے باحیات ادباء و شعراء کے نام

زانوے تلمذ تہہ کیا ہے۔ آپ نے اپنی شاعری میں نصف صدی کے تجربات، احساسات اور مشاہدات کو نہایت سلیقہ مندی سے پیش کیا ہے۔ ان کا اسلوبِ بیان ہمیں ان کی شعری صلاحیتوں کا احساس دلاتا ہے۔ آپ کی شاعری میں وہ توانائی ہے جو مشاہدے اور مطالعے کی دین ہے' آپ کے اشعار آج کے انسان کی محرومی' کشمکش اور ذہنی تناؤ کے آئینہ دار ہیں۔ کمتر ایک سنجیدہ اور خوش فکر شاعر ہیں۔ آپ بنیادی طور پر روایت سے وابستہ ہونے کے باوجود جدیدیت سے ہم آہنگ ہوکر اپنے فن میں عصری حسیت کا اظہار کرنے لگے ہیں۔ آپ کی شاعری پر سیّد ظہور الحق سرائیوی' شانتی رنجن بھٹا چاریہ اور ایم. کے. اثر جیسے معتبر اہلِ قلم نے اظہارِ خیال کیا ہے۔ آپ کی تخلیقات موقر اخبارات اور رسائل کی زینت بنتی رہی ہیں۔

نمونۂ کلام :

نشیب سے کوئی آواز دے رہا ہے مجھے
بلندیوں کے مکینوں ذرا ٹھہر جاؤ

میں اپنے خون کے دھبے کہاں تلاش کروں
یہاں تو سب ہی مقدس لباس والے ہیں

سہمی ہوئی سی کیوں ہیں ساحل پہ کشتیاں
ایسا تو نہیں پھر کوئی طوفاں کی خبر ہے

دل میں شگاف ڈالنے والی یہ بات ہے
پتھر کو بھی کرید کے رکھ دیتی ہے نظر

رنگ برنگی مچھلیاں تالاب کی زینت بنیں
ایک مچھلی کیا سڑی تالاب گندہ ہوگیا

ایسی حرکت اچھی نہیں ہے فعل تو یہ شیطانی ہے
سانپ کے دم پر پاؤں کو رکھنا سب سے بڑی نادانی ہے

جو اپنی ذات سے اوروں کو سائبانی دے
وہ قیمتی ہے شجر اس کی جڑ میں پانی دے

لمحوں کو کریدو گے تو کیا خاک ملے گا
صدیوں کو کھنگالو گے تو ادراک ملے گا

کتنی چیخوں کا سنگم ہے دیکھ کے میں بتلا دوں گا
تاج محل کی دیواروں سے شیشے کا اک ٹکڑا لاؤ

اپنے گھر کی چھت سے منظر کس قدر تھا دلنشیں
جا بجا بہتے ہوئے پانی میں گھر دیکھا کیا

کمتر کا یہ شعر ضرب المثال کی شکل اختیار کر گیا ہے :

چھوٹے سے ایک گھر میں ہزاروں ہیں مسئلے
ان مسئلوں کی بھیڑ میں تنہا ہے آدمی

کوکب قدر سجاد میرزا

ملک کے ممتاز ادیب اور محقق نبیرۂ واجد علی شاہ اختر پرنس انجم قدر و پرنس نیر قدر کے برادرِ عزیز جناب کوکب قدر سجاد میرزا کی ولادت ۱۹۳۲ء کو مرکزی کلکتہ (رپن اسٹریٹ) میں ہوئی لیکن آپ کی زندگی کا طویل عرصہ مٹیا برج میں گذرا۔ موصوف علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبۂ اردو اور فارسی کے پروفیسر اور ریڈر کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دے کر سبکدوش ہو گئے ہیں۔ اس عہدے پر فائز ہونا اعزاز سے کم نہیں۔ کوکب قدر کا شمار ملک کے ممتاز اہلِ قلم میں ہوتا ہے۔ ان کے ادبی و تحقیقی مقالات و مضامین مشہور اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے ہیں۔ ان کی دو تحقیقی کتابیں ''واجد علی شاہ کی ادبی و ثقافتی خدمات'' اور ''اہلِ سخن کے تاجدار'' میں قابلِ قدر محقق کوکب قدر میرزا نے فرنگیوں کی ناپاک سازش کو بے نقاب کر کے بادشاہ کے تعمیری اور روشن پہلوؤں کو پیش کیا ہے۔ واجد علی شاہ کی زندگی اور شاعری پر تحقیقی مقالہ لکھا جس پر ڈاکٹریٹ کی سند تفویض کی گئی۔ آپ کی زبان سلیس، لطیف اور شائستہ ہے۔ ان کے اندازِ بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں زبان پر قدرت حاصل ہے نیز آپ تحقیقی اور تنقیدی بصیرت کے حامل ہیں۔ معروف ادیب، مستند ناقد و محقق آل احمد سرور، کوکب قدر کی نثری خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

> ''کوکب قدر سجاد میرزا بہت اچھے محقق ہیں اور جب تک سارے مواد پر نظر نہ ہو قلم نہیں اٹھاتے۔ ان کی تحریر منظم، مدلل اور چست ہوتی ہے اور یہی اسلوب تحقیق کے لئے موزوں ہے۔ کہیں کہیں سطح بینوں کے متعلق طنزیہ الفاظ بھی ملتے ہیں مگر ان کے یہاں جذبے پر دیانت کی حکمرانی ہے۔''
>
> (اقلیم سخن کے تاجدار، کوکب قدر سجاد میرزا ص : ۷)

ایم. کے. اثر

قلمی نام ایم. کے. اثر اصل نام خدا دین ولد بیت محمد اسحاق مرحوم پیدائش یکم جولائی

۱۹۴۵ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ تعلیم ہائر سیکنڈری کی سطح تک ہے۔ تعلیمی سلسلہ منقطع ہونے کے بعد ان کا رجحان شاعری کی طرف ہوا۔ اکتسابِ فن کے لئے حضرتِ قیصر شمیم کے آگے زانوے ادب تہہ کیا۔ رفتہ رفتہ ان میں خود اعتمادی آتی گئی۔ آپ مٹیا برج کے وہ خوش نصیب شاعر ہیں جن کی تخلیقات ہندو پاک کے موقر اخبارات و جرائد میں سب سے زیادہ شائع ہوئیں۔ یہ سلسلہ آج بھی برقرار ہے۔ آپ کے پاس اس وقت اتنی تعداد میں نثری و شعری سرمایہ موجود ہے کہ دو نثری اور چار شعری مجموعے مرتب کئے جاسکتے ہیں لیکن حالات ناسازگار ہونے کے سبب ان کا ادبی سرمایہ قارئین اردو ادب تک نہیں پہنچ پایا۔ ایک ادبی تنقیدی کتاب ''اذہان'' کے نام سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی۔ ایم. کے. اثر کے فن پر اردو ادب کے مشاہیر قلمکاروں نے مقالات لکھے جن میں ڈاکٹر عنوان چشتی، پروفیسر کلیم سہسرامی، پروفیسر عبدالرؤف، رئیس امروہوی، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر ظہیر ناشاد در بھنگوی اور ڈاکٹر عبدالمنان کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ آپ SAARC کے مشاعرہ میں بحیثیت شاعر مدعو کئے گئے۔ آپ کی کئی نظموں اور غزلوں کے ہندی ترجمے ہوئے۔ آپ جتنے اچھے شاعر ہیں اتنے ہی اچھے نثر نگار بھی ہیں۔ کئی معیاری ادبی مقالات لکھے جو معروف اخبارات و رسائل میں شائع بھی ہوئے۔ اثر نے اصنافِ شاعری میں حمد، نعت، منقبت، قصیدہ، سلام، نوحہ، غزل، پابند، آزاد اور نثری نظموں پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ ہر سال چار پانچ قصائد لکھتے ہیں جن میں فکر، روانی اور زورِ بیان کے ساتھ جدید لب ولہجہ اور نئے نئے مضامین کو نظم کرتے ہیں۔ چوں کہ آپ جدید ذہن اور نئے لب ولہجہ کے شاعر ہیں اس لئے ان کی شاعری عصری تقاضوں اور موجودہ عہد کے مسائل کی ترجمان ہے۔ جدید شاعروں کی جو نسل آئی ہے اس میں ایم. کے. اثر نے بھی اپنی خاص پہچان بنائی ہے۔ ایم. کے. اثر نے مٹیا برج کی ادبی تحریکوں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ آپ ایک متحرک قلمکار ہیں۔ مسائل میں گھرے ہونے کے باوجود زبان وادب سے اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اردو ادب کے مشاہیر ناقدوں نے ایم. کے. اثر کی شاعری پر اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے :

''ایم. کے. اثر کو وقت کا احساس ہے۔ وہ حدودِ زمانہ کی قید میں ہیں لیکن تینوں زمانے ان کی نگاہ میں ہیں۔ زمانے کا تعین ان کی شاعری کو عظیم بناتا ہے۔ میرؔ کے یہاں بھی تنہائی، مایوسی، غم اور دکھ کی باتیں ہیں مگر میرؔ کا غم ان کا ذاتی غم ہے جب کہ اس عہد کے شاعر کا غم انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔ میرؔ کی سادگی یقیناً ایم. کے. اثر کے کلام میں در آئی ہے۔''

(اختر جاویدؔ)

اردو غزل کی جمالیات میں اس کی ہیئت کو ایک خاص اہمیت ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ایم. کے. اثرؔ صاحب غزل اور اس کی ہیئت کے مزاج داں ہیں انھوں نے روایت سے روشنی اور تجربہ سے تازگی حاصل کر کے اپنی غزل کو سنوارا ہے۔ ایم. کے. اثر کا مستقبل روشن نظر آتا ہے۔

(ڈاکٹر عنوان چشتی، دہلی)

نمونۂ کلام :

سمندروں کے تلاطم سے خوب واقف ہوں
کمال جب ہے سرابوں میں ڈال دے مجھ کو

خطا پہلی ہوئی ہوگی قصور اول ہوا ہوگا
سزا کا فیصلہ لیکن سرِ مقتل ہوا ہوگا

کیوں خود سے پریشاں ہے بتا زندگی مجھے
کیا میری طرح تو بھی سزا کاٹ رہی ہے

ہمیں پہ ختم نہیں سلسلہ سمٹنے کا
یہ مسئلہ تو یہاں عالمی نگر کا ہے

کتنا خوں جذب ہے مرے اندر
میں ہوں خاموش کربلا کی طرح

سوال سر کا نہیں اور نہ اپنے گھر کا ہے
اڑیں گے کیسے یہاں سے سوال پر کا ہے

ہم بہتر نہ سہی خوئے وفا رکھتے ہیں
نسلِ نو کے لئے کردار نیا رکھتے ہیں

دستخط ہنس کے کرا لو پہلے
کب بدل جائے بدلنے والا

سلگتے چیختے منظر سے دور کیسے رہوں
رہوں الگ بھی تو اندر سے دور کیسے رہوں

پانی شہروں میں ہوگیا مصلوب
پیاس رکھنے لگے ہیں گروی ہم

ڈاکٹر محفوظ حسن رضوی پنڈرکؔ

ہندی زبان کے قابلِ قدر شاعر جن کا تخلص پنڈرکؔ ہے۔ ۱۰/؟؟؟ ۱۹۴۵ء کو علم و ادب کی سرزمین ردولی شریف، ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ آپ ہندی ادب کے چند معتبر شعراء میں قابلِ ذکر ہیں۔ ڈاکٹر بچھی شنکر مشرا شنکھ آپ کے استاد تھے۔ ان کی نگرانی اور سرپرستی میں شاعری کے رموز و نکات سیکھے۔ نیشنل ٹیسٹ ہاؤس کلکتہ کے شعبۂ ہندی کے وزارت کنزیومر آفیسر ہیں۔ پنڈرک صاحب نہ صرف ہندی زبان کے معروف و ممتاز شاعر و ادیب ہیں بلکہ انھوں نے اپنی مادری زبان اردو میں بھی خوبصورت شاعری کی ہے۔ اس زبان میں بھی انھوں نے جو نظمیں و غزلیں کہیں ہیں، ان میں لکھنؤ کی اعلیٰ روایت اور تہذیب کو ملحوظ رکھا ہے۔ آپ کی تعلیم و تربیت علمی و ادبی ماحول میں ہوئی جس کے اثرات و عکس ان کی شاعری میں ملتے ہیں۔ آپ نے جس سرزمین پر آنکھیں کھولیں وہ طویل عرصہ سے علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے۔ ردولی (یوپی) میں اردو شعر و ادب کے ایسے شعراء و ادباء پیدا ہوئے جن پر اردو زبان کو ناز ہے۔ اس لئے آپ کی زبان میں بھی خاکِ ردولی کی مہک ملتی ہے۔ آپ کے مضامین کا ایک مجموعہ ''گوسوامی تلسی داس اور میں'' اور ایک شعری مجموعہ ''اسمیتا'' شائع ہو چکے ہیں۔ آپ نے ہندی کی دو نئی اصناف شاعری ''دوہا غزل'' اور ''سوّیا غزل'' ایجاد کی۔ زیرِ تصنیف نثری و شعری تصانیف میں بارہ بنکی جن پت کے مشاہیر شعراء ''بزرگوں کا ودھارا'' ستنامی فرقہ اور ہندی مرثیہ (کربلا کے پس منظر میں) کے نام خصوصیت کے حامل ہیں۔ آپ کو بھاگل پور کی ایک تنظیم نے ڈی۔لٹ کی اعزازی سند سے نوازا۔ آپ قومی رامائن میلہ چترکوٹ دھام (یوپی) کے بانی، و کرم شیلا ہندی ودیا پیٹھ ضلع بھاگلپور کی مجلسِ مشاورت کے رکن ہیں۔ آپ کی گراں قدر ادبی خدمات پر مختلف ادبی، علمی، ثقافتی اور سماجی اداروں نے مختلف اعزازات سے نوازا ہے۔ ہندی زبان کی مجموعی خدمات کے اعتراف میں ''ماتری شری ایوارڈ'' (دہلی)، ودیا النکار ایوارڈ تاولوک (جمشید پور)، سارس وت ایوارڈ (ناگپور)، پریچارک سبھا (بنارس)، روپ لیکھا ایوارڈ (کلکتہ)، عبد الرحیم

خانخاناں منڈل قنوج (یوپی)، راشٹریہ رامائن میلہ (چترکوٹ)، رامائن شیکھر سمان ایوارڈ (منجانب قومی رامائن میلہ کمیٹی (اجودھیا)، سوہاردسمان ارچنا (کلکتہ) سے سپاس نامہ اور رام لیلہ سوسائٹی کانپور نے مومنٹو پیش کیا۔ فطرتاً آپ گوشہ نشیں اور کم سخن واقع ہوئے ہیں۔ دبنگ شخصیت، گفتگو شیریں اور رکھ رکھاؤ سے لکھنوی تہذیب وتمدن کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ ایک حساس شاعر کی حیثیت سے اپنے ماحول اور اپنے عہد کے جلتے ہوئے مسائل کی ترجمانی مشاہدے کی روشن میں کرتے ہیں۔ آپ کی شاعری نہ صرف عصری تقاضوں کو پورا کرتی ہے بلکہ اس میں اصلاحی پہلو بھی ہوتا ہے۔ پنڈرک صاحب کی شاعری ایک ایسا گلدستہ ہے جس میں مختلف رنگ کے پھول ہیں۔

نمونۂ کلام :

کوئی ایمان میرا کر کے چلا جائے تو کیا — اتھوا سمان میں گیتوں کو بجھا جائے تو کیا
میری تصویر تو لہرائے گی پاتال میں بھی — مار کر تیر کوئی مجھ کو مٹا جائے تو کیا
جتنے آنسو تھے میرے پاس لٹا کر لوٹا — اب جو آنکھوں میں سمندر بھی سما جائے تو کیا
لپٹوں میں مجھ کو چھوڑ کے تم دور ہو لئے — سور سر سمجھ کے میں نے سبھی پاپ دھو لئے
نفرت سے جس نے ہم کو نہارا اسی کے سنگ — کچھ دور الگ تھلگ چلے پھر ساتھ ہو لئے
من کے بھاؤں سے اپرچت رہے دنیا ساری — بند کمرے میں غزل کوئی سنا جائے تو کیا

دانا سکندر پوری

نام سیّد ذوالفقار، ادبی نام دانا سکندر پوری، ولدیت حکیم سلطان احمد ہے۔ آپ کی ولادت ۱۹۴۳ء کو کشن گنج بہار میں ہوئی۔ آبائی وطن سکندر پور ہے۔ آپ حکمت کے پیشہ سے جڑے ہوئے ہیں۔ یہ سند انھیں اسٹیٹ کونسل آف یونانی میڈیسن آل انڈیا طبی کانفرنس (دہلی) شاخ مغربی بنگال نے عطا کی۔ کہنہ مشق ومعروف جدید لب ولہجے کے شاعر حضرت عثمانی عرشی سے مشورۂ سخن کیا۔ استاد کے نام سے ایک ادبی ادارہ ''بزمِ عرشی'' قائم کیا۔ اس

بزم کے زیرِ اہتمام سرزمینِ مٹیا برج میں مختلف نوعیت کے ادبی پروگرام کا انعقاد کرتے رہتے ہیں۔ شاعری کا آغاز ۱۹۶۲ء میں کیا۔ ابتدا میں انھوں نے روایتی انداز کی شاعری کی لیکن بعد میں جدید لب ولہجہ کی شاعری کی۔ دانا سکندر پوری نے اپنی شاعری میں نیا رنگ و آہنگ اور نئی فکر کو جگہ دی۔ آپ عصرِ حاضر کے مسائل اور حالات سے چشم پوشی نہیں کرتے بلکہ اس کا برملا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے اشعار قارئین ادب کو متوجہ کرتے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے اشعار زبان و بیان کے اعتبار سے منفرد رنگ کے حامل ہوتے ہیں۔

نمونۂ کلام :

دوپہر سے شام تک وہ پیرتا پانی میں تھا
جسم کی گرمی سے اس کے آبلہ پانی میں تھا

اپنا چہرہ بھی نہ پہچان سکو گے دانا
تھیر پانی میں ذرا مار کے کنکر دیکھو

سورج کا لال گولہ سمندر میں ڈھل گیا
دودھوں بھرا کٹورا لہو میں بدل گیا

غوطہ لگا کے تہہ میں کوئی دیکھے اک نظر
صدیوں کی بوڑھی مچھلی سمندر کے بن میں ہے

چکنی سڑک پہ شہر کا بابو پھسل گیا
شکر ہمارے گاؤں کا آگے نکل گیا

وہ فلسفہ جسے خود فلسفی سمجھ نہ سکا
سمیٹ لایا ہوں دیمک زدہ کتابوں سے

خشک سورج پانی پانی چیختا تھا دور سے
نوے ڈگری کا بنا اک زاویہ پانی میں تھا

ڈر تو یہ ہے کہیں چوراہے پہ پتھر نہ چلے
آئینہ لے کے سڑک پر وہ نکل آئی ہے

ہوا کے جسم پہ خط لکھ دیا ہے
خبر پہنچے گی اب ان کے مکاں تک

غزل میں اپنی وہ محشر اٹھا کے لایا ہے
پرائی فکر کا منظر اٹھا کے لایا ہے

عبدالشکور شاکر

نام عبدالشکور، تخلص شاکر۔ الٰہی بخش مرحوم کے صاحب زادے تھے جن کا آبائی وطن لکھنؤ تھا۔ آپ کی ولادت ۱۹۰۸ء کو مٹیا برج میں ہوئی۔ آپ کی شاعری کا آغاز ۱۹۳۲ء

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

سے ہوا۔ علامہ آثر ردولوی سے مشورۂ سخن کیا۔ آپ کے کلام پڑھنے کا انداز منفرد تھا۔ آواز دبنگ تھی، اسی لئے مشاعروں پر چھا جاتے تھے۔ ابتدائی دنوں میں فکر معاش اور غم روزگار کی تلخیوں کے باوجود شعر و ادب سے وابستہ رہے۔ چوں کہ آپ کا تعلق علامہ آثر ردولوی سے تھا، جو کلاسیکی شاعری کے اہم ستون تھے، اس لئے شکور شاکر کی شاعری میں بھی روایتی انداز اور آہنگ ملتا ہے۔

نمونۂ کلام :

حالتِ دل پر نہ کی اس نے نگاہِ التفات — اک زمانہ ہوگیا گو التجا کرتے ہوئے

نکل آتی کوئی صورت مریضِ غم کے جینے کی — کسی صورت سے تم صورت اگر دکھلا گئے ہوتے

تو سراپا حسن ہے اور میں سراپا عشق ہوں — سرگزشتِ حسن ہے میرے ہی افسانے کا نام

مری نامرادیوں کا ہے یہ مختصر فسانہ — کبھی کامیاب منزل نہ جہاں میں ہوسکا ہوں

عبدالستار ابدؔ

مٹیا برج کے بزرگ اور کہنہ مشق شاعر عبدالستار ابد کی پیدائش ۱۹۴۵ء کو رام نگر، مٹیا برج میں ہوئی۔ ابتدا تا حال کہنہ مشق شاعر حلیم ثمر آروی سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ آپ منقبت، نعت، قصیدہ، بھجن اور غزل پر بھرپور طبع آزمائی کی ہے۔ آپ مٹیا برج کے پہلے اردو شاعر ہیں جنھوں نے بھجن بھی لکھے۔ ان کی غزلیں روایتی رنگ و آہنگ کے ساتھ نئے اسلوب کی بھی غماز ہیں۔ ان کی شاعری میں عصری درد و کسک کے ساتھ رومانوی حسن کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ ابد آج کے حالات سے ناواقف نہیں، اس لئے موجودہ ماحول اور معاشرے کا المیہ ان کی شاعری کا وصف ہے۔

نمونۂ کلام :

گنگا جیسی شیتل ندی آنکھوں میں لہراتی ہے — پاپ کا پتلا ناچ رہا ہے روپ لئے اچھائی کا

مرے قریب نہ آنا کہ داغ کا ڈر ہے — میں اپنے ساتھ چلا ہوں برائیاں لے کر

کھلے ہیں پتھروں کے پھول کچھ ایسے بھی گلشن میں
خزاں منھ کو چھپا کر رہ گئی ہے اپنے دامن میں

کچھ ایسی زہر ہو کر رہ گئی ہے زندگی اپنی
کہ اب تو سانپ بھی ڈستے ہوئے ہم کو جھجکتے ہیں

جلتی ہوئی سڑک پہ چلے جب بھی تھک گئے
چہرہ جھلس گیا تو نظر آئے پک گئے

چل تو رہے ہیں ہم بھی زمانے کے سنگ سنگ
آگے نصیب دیکھیں دکھاتا ہے کیسا رنگ

حوصلہ دیکھئے جب آتا ہے رونے کا مقام
ہم نے دیکھا ہے کہ مخلوقِ خدا ہنستی ہے

ان آنکھوں کی گہرائی کو تم کیا سمجھو تم کیا جانو
جن کالی کالی آنکھوں میں پھیلا ہوا کاجل روتا ہے

بزدلوں کی نہیں لیکن جو دلاور ہیں آبدؔ
موت آتی تو ہے ان کی مگر دلہن بن کر

ہارون شارب

نام محمد ہارون رشید، تخلص شارب ہے۔ ولدیت غلام رسول۔ آپ کی ولادت یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو رشید پور، کبر نگر بھاگلپور میں ہوئی۔ ابتدا میں حلیم ثمر آروی سے رجوع ہوئے۔ فی الحال پروفیسر قیصر شمیم صاحب سے باقاعدہ اصلاح لے رہے ہیں۔ اخبارات و رسائل میں تخلیقات شائع ہوتی رہتی ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو اور کلکتہ دوردرشن پر بھی کلام پیش کر چکے ہیں۔ مدرسہ محمودیہ پرائمری اسکول کے سابق معلم اور انجمن بہارالمسلمین کے سابق ہیڈ ماسٹر ہارون شارب غزلیں اور قصائد دونوں اصناف شاعری پر مستقل لکھ رہے ہیں۔ ان کے علاوہ قطعات، مسدس، آزاد و پابند نظمیں اور سلام و منقبت کہنے کا اچھا سلیقہ جانتے ہیں۔ آپ کی شاعری روایتی فضا میں پروان چڑھی لیکن ترقی پسندی کی راہ سے گذرتی ہوئی جدیدیت کی سرحد میں داخل ہوئی۔ ہارون شارب نے جدید لب و لہجہ میں بھی اچھی شاعری کی اور اپنے عہد و معاشرہ کی دردناک داستان کو سلیقہ اور ہوش مندی سے نظم کیا۔ آپ کا شمار نہ صرف مٹیا برج بلکہ مغربی بنگال کی نئی نسل کے اچھے شعراء میں ہوتا ہے۔

نمونۂ کلام :

ساحل کی ریت جب بھی سرِ راہ ڈٹ گئی
پانی کی دھار دوسری جانب پلٹ گئی